جوساز پہ گزری ہے

بقلم

آفشاں آفریدی

قسط نمبر ۴

ناولز حب

''مشی بیٹا اٹھو!۔'' اسے اپنے رخسار پر نرم ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔ ساتھ ہی عذرا بیگم کی مشفق آواز نے جاگنے میں مدد دی۔اس نے نیند سے مخمور آنکھوں نے ان کی طرف دیکھا۔ کھڑکیوں کے راستے اندر آتی روشنی اور چڑیوں کی چہچہاہٹ صبح کی نوید سنا رہی تھی۔

''بیٹا رات تم میرے پاس ہی سوگئی تھیں۔مگر اب اپنے کمرے میں جاؤ۔ بختیار صاحب اور باقی لوگ جاگنے والے ہیں۔'' عذرا بیگم نے ملائم لہجے میں اس سے کہا تو وہ ناچار صوفے سے پیر لٹکا کر اٹھ بیٹھی۔

کل رات کی تمام باتیں یکدم ذہن میں تازہ ہو کر اس کی طبیعت مکدر کرنے لگیں۔عواض کے اس قدر نامناسب رویے کے بعد اس

کے کمرے میں جانا اس کے پندار کے لیے کسی ٹھیس سے کم نہیں تھا۔ وہ لب بھینچ کر کچھ سوچنے لگی تھی

''کل شاید عواض غصے میں تھا۔ مگر اب یقیناً وہ ٹھیک ہو گیا ہو گا۔ بس ذرا مزاج کا تیز ہے وہ، مگر یقین کرو بیٹا دل کا بہت اچھا ہے وہ۔'' اس کے کسلمندی سے اٹھ کر یوں خاموش بیٹھ جانے پر عذرا صفائی دیتے ہوئے بولی تھیں

''انسان اگر زبان کا تلخ اور مزاج کا کڑوا ہو تو محض دل کا اچھا ہونے سے کیا ہو سکتا ہے آنٹی۔'' نگاہ اٹھا کر افسردگی سے سوال کرتی مشکوٰۃ عذرا کا دل رگید گئی۔

''انسانی وجود میں چھپے گوشت سے بنے دل کی اچھائی کا صرف اس کے بنانے والا خالق کو ہی علم ہو سکتا ہے۔ جبکہ ہم انسان محض سامنے والے شخص کے رویے سے اس کی زندگی میں اپنی حیثیت کا

اندازہ لگاتے ہیں۔اور عواض اپنی زندگی میں مجھے کیا مقام دیتے ہیں یہ ان کے بدصورت رویے سے واضح ہے۔'' تلخی اس کے لہجے کا حصہ بن گئی تھی۔عذرا بیگم نے خوفزدہ نظروں سے دیکھا۔

''ایسی بات نہیں ہے بیٹا۔عواض کی بیوی ہو تم۔اس کی نصف بہتر۔اس کی زندگی میں تمھارا مقام بہت اونچا ہے۔''

''اور ان کی نگاہ میں؟۔'' نظر اٹھا کر کاٹ دار لہجے میں پوچھا تھا اس نے جس پر عذرا یکدم لاجواب ہوگئی تھیں۔مگر کچھ سنبھل کر بولنے کی کوشش کی۔

''تم اسے غلط سمجھ رہی ہو بیٹا یقین کرو وہ ایک بہت۔۔۔۔۔''

''رہنے دیجیے آنٹی۔کیوں ایک ایسے شخص کی طرف سے صفائی پیش کر رہی ہیں جسے اپنے بدصورت رویے کا احساس تک نہیں۔'' یکدم ان کی بات کاٹ کر بے زاری سے کہتے ہوئے وہ اٹھ

کھڑی ہوئی تھی۔ پوری رات گزر گئی تھی مگر عواض نے پلٹ کر خبر نہیں لی تھی کہ وہ کہاں ہے۔

''مگر اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں، عواض کی تربیت ہی ان خطوط پر ہوئی ہے کہ ان کے لیے بیوی کی عزت کرنا، کبھی بھی آسان نہیں ہوگا۔'' مایوس کن لہجے میں کہتی وہ ان کے پاس سے گزر کر اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔

دل پر منوں بوجھ لیے وہ اوپر آ تو گئی تھی مگر کمرے میں جانے کو دل کسی طور راضی نہ تھا، چند منٹ دروازے پر رکی کھڑی وہ اپنی انا کو صبر کا درس دینے کی کوشش کر رہی تھی کہ اچانک سامعہ کے کمرے کے دروازے کے کھلنے کی آواز نے اسے متوجہ کیا۔ اور اس سے پہلے کہ سامعہ اسے اپنے کمرے کے آگے یوں کھڑا دیکھ لیتی وہ بددلی سے دروازہ دھکیلتی اندر داخل ہوگئی۔

حسب توقع عواض جاگ چکا تھا، اسے اندر داخل ہوتا دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

''مشکوٰۃ پوری رات کہاں تھیں۔کہاں سوئی ہو تم۔'' وہ فکر جتاتا پوچھ رہا تھا۔مشکوٰۃ کا دل جل کر خاک ہو گیا۔

''یہ سب رات مجھے کمرے سے نکالنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا آپ کو۔اب ان باتوں کا کیا ذکر۔''

''میرا کل موڈ خراب تھا، اس لیے تمھیں جانے کو کہہ دیا تو ایسا بھی کیا غضب ہو گیا۔تم ہر بات کا اشو کیوں بنا لیتی ہو؟۔'' اس کے تیکھے پن سے دیے گئے جواب پر عواض کا انداز بھی تند ہو گیا تھا۔

''اچھا۔؟'' جواباً مشکوٰۃ نے طنزیہ مسکراہٹ سمیت اس کی طرف دیکھا تھا

''تو پھر اگر ایسے ہی موڈ swings مجھے بھی ہوں اور کسی دن میں

آف موڈ میں آپ کو کمرے سے جانے کو کہہ دوں تو کیا برداشت ہوگا آپ کو۔'' اب وہ عواض کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سوال کر رہی تھی جس سے اس کا مزاج کچھ اور کشیدہ ہوا اور چہرے پر برہمی چھا گئی۔

''تم ہر معاملے میں میری برابری کیوں کرتی ہو۔''

''کیونکہ میں بیوی ہوں آپ کی، کوئی زرخرید غلام نہیں کہ ہمارے درمیان طبقاتی فرق ہو۔'' وہ اس سوال پر بری طرح چیخی تھی

''اس میں غلامی کی کیا بات ہے۔ بیوی کو شوہر کا مزاج آشنا ہونا چاہیے۔مگر تمھارے تو نخرے ہی بہت ہیں۔ جہیز میں صرف چند کپڑوں اوران نخروں کے بجائے کچھ سوجھ بوجھ ساتھ لے آتیں تو زیادہ بہتر تھا۔'' ماتھے پر شکنیں لیے عواض نے سخت لہجے میں طعنہ دے مارا تو وہ جیسے شاکڈ ہی رہ گئی۔

''جہیز لانے کے لیے آپ کے والد نے ہی منع کیا تھا۔'' شدید رنج کو دباتے ہوئے وہ بمشکل بول سکی تھی

''بہت خوب۔ گویا انہوں نے منع کیا اور آپ فوراً منع بھی ہو گئیں۔'' طنزیہ لہجے میں عواض نے کہا تو اس کی پیشانی جیسے جھلس سی گئی۔ وہ ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ ''اگر اتنی ہی فرمانبردار ہو تو میرا کہا بھی بنا چوں چرا کیے مان لیا کرو۔''

''مان لوں اگر justified بھی ہو۔'' پرتپش لہجے میں کہہ کر وہ واش روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اسے لگا اگر وہ مزید کچھ سنے گی تو اس کی قوت برداشت جواب دے جائے گی۔

''تو کیا اب تم مجھے بتاؤ گی کہ کیا justified ہے کیا نہیں۔'' یکدم عواض نے اس کی راہ روک کر سوال کیا تھا

''ہاں۔ اگر ضرورت پڑی تو ضرور کیونکہ آپ۔۔۔''

''عواض۔'' دروازے پر دستک کے ساتھ ہی عذرا بیگم کی آواز پر وہ دونوں ہی چونک کر متوجہ ہوئے تھے۔عواض دروازے کی طرف بڑھا تو وہ اپنے طیش پر قابو پاتے ہوئے تیز قدموں سے واش روم میں داخل ہوکر اپنے پیچھے دروازہ بند کر گئی۔

''صبح بخیر ماما۔'' اس نے دروازہ کھول کر انہیں اندر آنے دیا تھا پھر ان کے اشارے پر دروازہ بند کر دیا۔

''کیسی صبح بخیر عواض؟۔جس کی بہو پوری رات کمرے سے باہر گزارنے پر مجبور کر دی گئی ہو اس کی صبح خیریت کے ساتھ ہوسکتی ہے؟۔'' وہ سخت لہجے میں بیٹے سے باز پرس کر رہی تھیں جس پر عواض کی آنکھوں میں تپش اتر آئی

''پلیز ماما۔آپ بلاوجہ اُس کی طرف داریاں کر کے اُسے سر پر مت چڑھائیں۔بلکہ اسے یہ سمجھایئے کہ شوہر کے مزاج کے مطابق کیسے

رہا جاتا ہے۔آخر وہ ایسے کام کرتی ہی کیوں ہے جس سے مجھے غصہ آئے۔'' بجائے شرمندہ ہونے کے عواض الٹا ان پر بگڑ رہا تھا

''اب ایسا بھی کیا کر دیا اس نے عواض؟۔انعم کی باتوں پر ہنسنا کیا کوئی بہت برا فعل ہے؟۔'' عذرا بیگم تحمل سے پوچھ رہی تھیں

''جو لوگ مجھے سخت ناگوار گزرتے ہیں، اُسے ان سے دور رہنا چاہیے۔یہ کیسی بیوی ہے جسے آج تک یہی سمجھ میں نہیں آیا کہ مجھے کیا اچھا اور کیا برا لگتا ہے۔'' وہ ماں سے بحث کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''آخر کو آپ بھی تو ایک عورت ہیں۔جیسے آپ پاپا کے مزاج کے مطابق چلتی ہیں ایسا ہونا چاہیے ایک بیوی کو۔'' اس نے قطعی لہجے میں کسوٹی بتا دی تھی۔

''بیٹا۔شادی کے بعد ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔میرا اور تمھارے پاپا کا تو برسوں کا ساتھ ہے۔جبکہ تم دونوں

کو اس بندھن میں بندھے ہوئے ابھی صرف چند ماہ ہی تو ہوئے ہیں۔تم اُسے کچھ وقت دو۔'' وہ نرمی سے بولی تھیں۔بیٹے کی تعریفی انداز پر ان کے لبوں پہ مجروح مسکراہٹ نمودار ہو کر غائب ہو گئی تھی۔

''مطلب شادی پاپا کے کہنے پر کر لینے کے بعد اب کمپرومائز آپ کے کہنے پر کرنا پڑے گا مجھے۔'' ہلکا سا طنزیہ لہجہ بے زاری سے اٹا ہوا تھا

''شادی میں تھوڑا کمپرومائز اور کچھ sacrifce تو کرنا ہی پڑتا ہے بیٹا۔مشکوٰۃ ابھی کم عمر ہے۔آہستہ آہستہ تمھارے مزاج کے مطابق ڈھال لے گی خود کو۔تم تھوڑا نرمی سے ڈیل کرو اسے۔یقین کرو وہ تمھیں مایوس نہیں کرے گی۔'' عذرا بیگم نے گہری سانس بھر کر رسانیت سے کہا تو وہ ہوں کہہ کر رہ گیا۔

پھر کچھ دن ایسے ہی گزر گئے،مشکوٰہ اور عواض کے درمیان ناراضگی

کی فضا اسی طرح قائم رہی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ عواض اپنی غلطی مان کر اسے منا تا مگر وہ جانتی تھی کہ اس کی مردانہ انا اسے کبھی بھی ایسا نہیں کرنے دے گی اس لیے اس بار ہمیشہ کی طرح اسے ہی جھکنا پڑا، کچھ ہاتھ اس میں عذرا بیگم کا بھی تھا، انہوں نے ان دونوں کے بیچ میں حائل خلیج کو ختم کرنے میں مثبت کردار ادا کیا۔ اور یوں ایک بار پھر حالات بظاہر سازگار ہو گئے۔

اس دن کے بعد عواض نے اسے دوبارہ کمرے سے نکل جانے کو تو نہیں کہا تھا مگر جب وہ ناراض ہوتا تو خود ہی کمرہ چھوڑ جاتا۔ اور ایسا اکثر ہونے لگا تھا۔ نتیجتاً ایک دن بختیار صاحب نے مشکوٰۃ کو بلا کر اسے سخت سست سنائی تھیں۔

''دیکھو لڑکی! عواض کا مزاج، تمھارے ابا سلیمان جیسا نہیں کہ سنبل بھابھی کے جیسی کھری کھوٹی باتیں سن کر وہ برداشت کر لے۔'' وہ

خشمگین لہجے میں اس سے مخاطب ہوئے تھے۔ ''اُسے ناگوار باتوں کو جھیلنے کی عادت نہیں۔ تمھیں اُس کے مزاج کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ یہ کیا کہ ہر دو دن بعد وہ ناراض ہو کر کمرہ چھوڑ جائے۔ ایک اچھی بیوی وہ ہوتی ہے جس سے اس کا شوہر راضی ہو۔''

''اور اچھا شوہر انکل؟۔'' یکدم سر اٹھا کر اس نے سپاٹ لہجے میں سوال کر لیا تھا جو بختیار صاحب کے چہرے پر غیض لانے کے لیے کافی تھا۔ ''کیا اچھے شوہر کی کوئی definition نہیں ہوتی۔؟'' وہ پوچھ رہی تھی

''عورت شادی کے بعد مرد کے گھر آتی ہے۔ ایڈجسمنٹ اُسے کرنا ہوتی ہے مرد کو نہیں۔'' وہ نہایت برہمی سے گویا ہوئے تھے۔

''میں اپنی سی کوشش کرتی ہوں انکل کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے عواض ناراض ہوں مگر وہ مجھے مکمل طور پر بدل دینا چاہتے ہیں اور

یہ میرے اختیار میں نہیں۔'' درحقیقت وہ اس صورتحال سے اتنا تھک چکی تھی کہ بختیار صاحب کے برہم انداز بھی اسے اپنی بات کہنے سے نہ روک سکے۔وہ ان کی جلا کر بھسم کر دینے والی نگاہوں سے خائف ہونے کے باوجود بے بسی سے کہہ گئی۔

''عورت کو پانی کی طرح ہونا چاہیے تا کہ جس برتن میں اسے ڈالا جائے اس کی شکل اختیار کر لے۔لگتا ہے تمھیں یہ گر سکھایا نہیں گیا۔'' طنزیہ لہجہ اور استہزائیہ انداز تھا ان کا۔وہ دل میں ناگواری محسوس کیے بنا نہ رہ سکی

''بہر حال مجھے بحث کرنا سخت ناپسند ہے۔اب جاؤ یہاں سے۔ اور ہاں، آئندہ میں یہ سب نہ دیکھوں ۔ میں نہیں چاہتا کہ بات تمھارے گھر والوں تک جائے۔تم دونوں اپنے مسئلے خود حل کرو اور نہیں اپنے کمرے تک محدود رکھو۔'' چہرے پر غیض کے رنگ لیے

انہوں نے سخت برہمی کا اظہار کیا تھا۔مشکوٰۃ کا دل چاہا زمیں پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

اماں کے بارے میں ان کا توہین آمیز بیان اس کے دل پر کئی آرے چلا گیا تھا۔ساتھ ہی اسے یہ بھی یقین ہو گیا کہ اس گھر میں رہنے والے مردوں کے دل پتھر کے ہیں۔ان سے سر پھوڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

☆...☆...☆...☆...☆

عواض کا ڈاکٹریٹ مکمل ہو گیا تھا ڈگری مل گئی تھی اسے۔عواض سمیت سب گھر والے بہت خوش تھے۔سبھی کی طرف سے ٹریٹ دینے کا تقاضہ تھا۔اس کامیابی کو منانا تو بنتا ہی تھا لہٰذا ایک پارٹی منعقد کرنے کا پلان بنا لیا گیا۔جس کی تیاری میں مصروف ہونے کی وجہ

سے وہ دو ہفتے گزر جانے کے باوجود ابا کے گھر نہیں جا سکی۔ جس کے نتیجے میں سلویٰ کا بھیجا ہوا ناراضی سے بھرپور لمبا سا آڈیو میسج اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

''سمجھا کرو سلویٰ گھر میں کتنے ہی کام ہیں۔ بہت مصروفیت ہے۔ تمھیں تو عواض کا پتا ہی ہے انہیں ہر کام پرفیکٹ چاہیے ہوتا ہے۔ میں نیکسٹ ویک آجاؤں گی۔'' اس نے کال ملاتے ہی منانے والے لہجے میں کہا تھا

''پتا ہے مجھے۔ اب عواض بھائی کا تمھارے بغیر گزارہ نہیں۔ ان کا بس چلے تو تمھیں ایک منٹ کے لیے بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ ہماری بہن پر تو قبضہ ہی کر لیا ہے انہوں نے۔'' سلویٰ نے ہلکی سی خفگی سے کہا تھا مگر انداز میں رشک بھی تھا۔ مشکوٰۃ اس کی بات پر گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔ اس کے حافظے میں وہ وقت تازہ ہو گیا جب

عواض نے اسے کمرے سے نکال دیا تھا، اور کئی بار وہ خود بھی کمرے سے چلا گیا تھا۔ کتنے کتنے دن وہ بات کیے بنا بھی گزار دیتے تھے۔

''مگر خیر ہے، اپنی پیاری سی بہن کو اتنا اچھا لائف پارٹنر ملنے پر ہمیں یہ بھی گوارا ہے۔ چلو خوش رہو۔ جاؤ معاف کیا اس بار۔ لیکن اگلے ہفتے میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔'' سلوٰی اس کی خاموشی کو محسوس کیے بنا کہہ رہی تھی جس پر وہ اپنے خیالات سے باہر آتے ہوئے پھیکے پن سے ہنس دی تھی۔

''شکریہ جناب آپ کا۔ اب اگر آپ اجازت دیں تو فون بند کروں۔ مجھے ابھی عواض کے لیے گفٹ لینے بھی جانا ہے۔'' آواز میں مصنوعی بشاشت بھرتے ہوئے وہ شوخی سے پوچھ رہی تھی

''جاؤ جاؤ۔ اور ہاں اس بار عواض بھائی کو ایک بہترین سا گفٹ

دینا۔ ویسے تو تمھارے ہوتے ہوئے ان کی لائف میں مزید کسی تحفے کی کی گنجائش نہیں۔ مگر پھر بھی رسم دنیا بھی موقع بھی ہے دستور بھی ہے۔ تو لگے ہاتھوں انہیں ابا حضور بننے کی خوشخبری ہی دے ڈالو۔" سلویٰ شرارت سے کہہ کر فون بند کر گئی تھی جبکہ اس کے لبوں پر قفل پڑ گئے۔ اب یہ بات اکثر لوگ کہنے لگے تھے اس کی شادی کو آٹھ ماہ ہونے کو آئے تھے۔ اس خوشخبری کا تقاضہ اب لوگوں کی نظریں بھی کرنے لگی تھیں۔

"پہلے تم ایک اچھی بیوی تو بن جاؤ۔ ماں بننا تو بعد کی بات ہے۔ میں تم جیسی لاپرواہ عورت پر اپنی اولاد کی ذمے داری سوچ سمجھ کر ہی ڈالوں گا۔" عواض کے فقرے اس کے حافظے میں اودھم مچانے لگے تو آنکھوں سے نمکین سیال بہہ کر اس کے رخساروں کو دہکا گیا۔

دکھ تذلیل اور رد کیے جانے کے قلق نے اس کے دل کی دھڑکن کو دھیما کر دیا تھا۔ کبھی کبھی اسے لگتا جیسے اسے سانس لینے میں دقت ہونے لگی ہے۔ گھٹن آمیز کثیف دھواں آہستہ آہستہ اس کے اندر بھرتا جا رہا تھا۔

بس ایک گارڈننگ کا مشغلہ تھا جو اسے سکون دیتا تھا مگر عواض کو اس کا لان میں بیٹھ کر یہ سب کرنا بھی پسند نہیں تھا۔ کیونکہ ارد گرد کے بنگلوں کے ٹیرس سے ان کا لان صاف نظر آتا تھا۔ ایک شام وہ آفس سے واپس آیا تو مشکوٰۃ لان میں کام کرتی ملی مگر جب ساتھ والوں کے ٹیرس پر نگاہ پڑی تو وہاں کھڑے چند لڑکوں کی موجودگی نے اس کا موڈ آف کر دیا۔

''اندر چلو تم۔ کچھ اندازہ ہے کتنے لوگ کھڑے تمھاری گارڈننگ سے محظوظ ہو رہے ہیں۔'' وہ اس کے سر پر پہنچ کر تند لہجے میں بولا تو وہ

کیاری میں گوڈی کرنے کا مشغلہ چھوڑ کر سٹپٹا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں عواض۔ایسا کچھ نہیں۔''

''اچھا۔ایسا کچھ نہیں تو ساتھ والوں کے ٹیرس پر کھڑے یہ لوفر کیا باجماعت نماز ادا کر رہے ہیں۔'' عواض نے آنکھ کے اشارے سے اُس کی توجہ اُس جانب مبذول کرائی تو وہ متعجب ہونے کے ساتھ پریشان بھی ہوگئی۔

''بس کر دیں عواض۔ٹین ایجر بچے ہیں وہ۔کچھ تو سوچ سمجھ کر بولا کریں۔''

''میں سوچ سمجھ کر بولوں مگر تم ہمیشہ عقل سے پیدل ہی رہنا۔'' مشکوٰۃ کی بات پر وہ بری طرح چٹخا تھا۔

''کوئی بچے نہیں ہیں وہ۔عمریں اور قد دیکھو ان کے۔'' وہ بری طرح ناراضگی سے گویا ہوا تھا۔

''مگر۔۔''

''بس۔'' یکدم اس نے ہاتھ اٹھا کر مشکوٰۃ کو بولنے سے روک دیا تھا۔''آئندہ میں تمھیں یہاں لان میں یہ مشغلہ فرماتے نہ دیکھوں۔انڈر اسٹینڈ۔میرا خیال ہے میری ایک دفعہ کی بات تمھاری سمجھ میں آ گئی ہو گی۔'' عواض کے انداز میں حتمیت تھی اور آنکھوں میں شدید غیض۔

مشکوٰۃ کا دل جیسے ڈوب کر ابھرا۔کتنا پسند تھا اسے باغبانی کرنا۔اسے بہت سکون ملتا تھا اس کام میں۔مگر اب سکون کا یہ ذریعہ بھی اس کے لیے شجر ممنوعہ بنایا جا رہا تھا۔لیکن صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔یوں بھی ارد گرد کے بنگلوں میں رہنے والے زیادہ تر لڑکے تھے اسے خود بھی اندازہ تھا کہ عواض کا اسے منع کرنا بے جا بھی نہیں مگر

اس میں کچھ مبالغہ آرائی بھی تھی۔عجیب مسئلہ تھا کہ عواض کو ہر وہ چیز ناپسند تھی جو مشکوٰۃ کو مرغوب تھی۔

''عورت کے خمیر میں صبر شامل ہے مشی بیٹا۔صبر ایک ایسی سواری ہے جو اپنے سوار کو گرنے نہیں دیتی۔عورت بھی صبر کا ہاتھ تھام کر بہت کچھ سہہ سکتی ہے۔'' اماں کی نصیحت ہر بار کی طرح آج بھی اس کے کانوں میں گونج گئی تھی۔مگر رفتہ رفتہ اسے لگنے لگا تھا کہ وہ اپنا تحمل کھونے لگی ہے۔اِس وقت بھی اُس کا دل چاہا وہ عواض کے کہنے پر اٹھ کر اندر نہ جائے مگر مجبوری تھی۔

اسے علم تھا کہ اگر اس نے منع کیا تو عواض کسی کا بھی لحاظ کیے بغیر اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے زبردستی اندر لے جائے گا اور ایسی تذلیل اسے گوارہ نہیں تھی۔

☆...☆...☆...☆...☆

''ماشاءاللہ کتنی پیاری لگ رہی ہو مشی۔'' اماں اور ابا کی آنکھوں سے جھلکتی توصیف کو سلویٰ نے الفاظ دیے تھے۔اس تقریب کے لیے خاص طور پر عواض نے اس کے لیے میرون رنگ کی نفیس کڑھائی والا اسکن کلر کا سوٹ پسند کیا تھا، جس میں ملبوس وہ عواض کی پسند کے عین مطابق لائٹ میک اپ اور نازک جیولری میں واقعی بہت پیاری لگ رہی تھی۔

وہ تمام کپڑے جو وہ بڑے چاؤ سے سلوا کر سسرال ساتھ لائی تھی، انہیں اس نے سوٹ کیس میں بند کر کے بیڈ کے نیچے ڈال دیا تھا۔ان میں سے کسی کا رنگ تو کسی کی ڈیزائننگ عواض کو پسند نہیں تھی۔اور عجیب بات یہ تھی کہ جس چیز کو عواض رد کر دیتا تھا وہ آپ ہی آپ اس کے دل سے اتر جاتی تھی۔اس کا وارڈ روب ہلکے رنگوں کو ملبوس سے

بھرنے لگا تھا۔اپنی پسند کی سب چیزیں اب اس کے دل سے اترتی جا رہی تھیں اور خود اس کا دل کسی گہری کھائی میں۔

''تھینک یو۔'' اپنے گھر والوں کو دیکھ کر وہ بھی کھل سی گئی تھی۔اماں ابا اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیر کر عواض اور بختیار صاحب کی طرف بڑھ گئے تھے۔

''یو آر ویلکم۔'' سلویٰ مرعوبیت سے اسے دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

''ویسے سچ میں مشی تم شادی کے بعد کتنی گریس فل ہو گئی ہو۔''

''کیا مطلب کیا شادی سے پہلے میں ایسی نہیں تھی۔'' اس نے مصنوعی خفگی سے آنکھیں نکالیں جس کے جواب میں سلوی ہنس پڑی تھی

''بھئی شادی سے پہلے تم صرف بیوٹی فل تھیں اب گریس فل بھی

ہوگئی ہو۔"

"اور اسکا کریڈٹ یقیناً عواض بختیار کو جاتا ہے۔کیا خیال ہے سلویٰ۔" اس اثناء میں عواض نے عقب سے آکر اس کے کندھے پر بازو دراز کرتے ہوئے کہا تو سلویٰ خوشدلی سے ہنس پڑی۔حسب سابق لوگوں کے سامنے عواض کا رویہ اس کے ساتھ دوستانہ اور خوشگوار تھا۔اسے دیکھ کر کوئی کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ شخص دن رات اس کی تذلیل کرتا ہوگا۔

"یہ تو ماننا پڑے گا عواض بھائی۔" جواباً سلویٰ مرعوبیت سے کہہ گئی تھی۔جس پر مشکوٰۃ کو جتانے والی نظروں سے دیکھتا عواض یکدم ہنس پڑا تھا۔"ویسے عواض بھائی آپ کے قد تک پہنچنے کے لیے بندی کو ایڑھی چوٹی کا زور لگانا پڑا ہے۔" مشکوٰۃ کی ہائی ہیلز پر چوٹ کرتی سلویٰ کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس کی گفتگو اور عواض کی استہزائیہ نظروں

نے مشکوٰۃ سلیمان کا دل دہکا دیا ہے۔

''کسی اونچے مقام تک پہنچنے کے لیے انسان کو ایسی کوششیں کرنا پڑتی ہیں سسٹر اور ایسا کرنا بھی چاہیے۔'' عواض کے بشاش لہجے میں چھپا طنز مشکوٰۃ کے فشار خون کو بلند کرنے کے لیے کافی تھا۔

''سلویٰ آؤ میں تمھیں، عواض کی کزن سسٹر انعم سے ملواؤں۔ تم ان کی کمپنی بہت انجوائے کرو گی۔'' یکدم اس نے سلویٰ کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے کندھے سے عواض کے بازو کو نرمی سے ہٹایا اور سلویٰ کو ساتھ لیے آگے بڑھ گئی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ عواض کو اس کی یہ حرکت اور انعم کا تذکرہ کتنا ناگوار گزرا ہوگا۔

''حد کرتی ہو تم سلویٰ۔ جو منہ میں آتا ہے بول دیتی ہو۔ بھلا یہ کوئی بات تھی جو تم نے عواض سے کہی۔'' ساتھ چلتے ہوئے وہ اسے ٹوکے بنا نہ رہ سکی۔ جانتی تھی کہ اب سلویٰ کی اس تعریف پر کتنے ہی دن اسے

طعنے سننا پڑیں گے۔

''لو بھلا، اس میں کیا برا تھا۔ کیا میں نے نہیں دیکھا کہ میری اول جلول سی بہن کو عواض بھائی کی صحبت اور محبت نے کتنا بدل ڈالا ہے۔ میں تو تمھاری تعریف کر رہی تھی پاگل۔'' سلویٰ نے مسکرا کر اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر کہا تو وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

''ویسے میں سمجھی تھی کہ آج تم اپنا فیورٹ پرپل کلر کا وہ سوٹ پہنو گی جو تم نے اس خاص موقع کے لیے سلوایا تھا۔'' یکدم سلویٰ کو یاد آیا تھا۔ جس پر وہ مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر جواباً بولی

''آج عواض کا خاص دن ہے اور وہ مجھے اس کلر میں دیکھنا چاہتے تھے۔ کل بطور خاص یہ سوٹ خریدا ہے انہوں نے میرے لیے۔'' اب وہ مہارت سے مصنوعی مسکراہٹ سے چہرے کو آراستہ کر لیتی تھی۔ ایک ماسک تھا جسے چہرے پر لگانا اس کی مجبوری بن گیا تھا۔

''ہمم۔ ویسے عواض بھائی کی چوائس ہے بہت زبردست، جیسے یہ سوٹ اور جیسے تم۔'' سلویٰ نے خوشدلی سے ہنس کر کہا تو اس کی مضمحل مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

(ویل یہ میری نہیں پاپا کی پسند ہے۔ جیسے تم پاپا کی پسند ہو) پہلی رات کو کیا گیا عواض کا اعتراف اب اپنی پوری حقانیت کے ساتھ اس پر

واضح ہو چکا تھا۔ وہ واقعی عواض کا انتخاب تھی اور نہ اس کی پسند کے سانچے میں ڈھل پا رہی تھی۔

پھر وہ تقریب بہت اچھی رہی تاہم انعم سے بات کرنے پر عواض کے موڈ کافی خراب ہو گیا تھا جسے نظر انداز کرتے ہوئے وہ مہمانوں کی تواضع میں لگی رہی۔ اماں، ابا سلویٰ اور عاکف ہر کوئی بہت خوش تھا۔ اس کے شوہر کی کامیابی سب کے لیے باعث افتخار تھی۔ اور خوش تو وہ

بھی تھی مگر جس طرح عواض نے اسے مزید تعلیم کے حصول سے روکا تھا اس کا دل افسردہ تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ پی ایچ ڈی ڈگری ہولڈر عواض بختیار اتنا تنگ ذہن بھی ہو سکتا ہے۔ وہ جو خود ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ماں کا بیٹا ہے عورت کی تعلیم کے معاملے میں ایسی پست سوچ کا حامل ہوگا۔ مگر یہ سب ہونے کے باوجود بھی عواض کی کامیابی اس کے لیے بہت معنی رکھتی تھی۔

بہر حال شام تو اچھی گزر گئی تھی مگر رات اس کے لیے محض تکلیف ہی لائی۔ تقریب کے بعد گھر واپس آ کر عواض نے اپنا سارا غصہ اس پر انڈیل دیا تھا۔ انعم سے بات کرنا ہی نہیں اُسے تو مشکوٰۃ کی ایسی بہت سی باتیں بری لگی تھیں جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔ اسے شکایت تھی کہ مشکوٰۃ نے میکے اور سسرال کے درمیان امتیازی رویہ اختیار کیا تھا۔ کولڈ ڈرنک پینا بھی اس کے جرائم کی فہرست

میں شامل ایک جرم تھا۔ سلویٰ اور انعم کی باتوں پر وہ زور سے ہنستی رہی تھی ، جبکہ عواض کے ساتھ تصویر بنواتے وقت اس کا موڈ ناخوشگوار تھا۔ گویا ایک لمبی فہرست تھی خطاؤں کی۔

وہ صفائیاں دے دے کر تھک گئی تو دوسری طرف کروٹ بدل کر سوتی بن گئی، مگر تمام رات اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہا۔

☆...☆...☆...☆...☆

اس دن وہ پورے ایک ماہ بعد ابا کے گھر آسکی تھی۔ عواض کی ناراضی کی وجہ سے مزید ایک ہفتہ یونہی گزر گیا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اس سے بات نہیں کر سکی تھی۔ مگر اس کی بے چینی عذرا بیگم کی نگاہوں سے چھپی نہیں تھی لہٰذا انہوں نے بختیار صاحب سے بہت کہہ سن کر اسے ایک رات رکنے کے لیے میکے بھیج دیا تھا۔

''مجھے یوں بھاگ بھاگ کر میکے جانے والی عورتوں سے سخت چڑ ہے۔اس بار تو ماما کے کہنے پر تمھیں رات رکنے کی اجازت دے دی ہے، نیکسٹ ٹائم ایسی رعایت کی امید مت رکھنا مجھ سے۔ستارہ بھابھی کو دیکھو، تین تین ہفتے میکے جانے کا نام نہیں لیتیں وہ۔'' عواض عذرا بیگم کے کہنے پر آفس جاتے ہوئے اسے ابا کے گھر ڈراپ کرنے جا رہا تھا۔راستے میں حسب معمول وہ تیکھے پن سے گویا تھا۔تقریب کے بعد سے ابھی تک اس کا آتشی موڈ درست نہیں ہوا تھا۔

''میکہ والدین سے آباد ہوتا ہے عواض!۔ستارہ بھابھی کے والدین حیات نہیں ہیں اور سگا بہن بھائی بھی کوئی نہیں ان کا، اس لیے مجھے ان سے کمپیئر نہ کیا کریں۔یوں بھی مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ کون کیا کرتا ہے کیا نہیں۔''

کل رات جب عذرا بیگم نے عواض سے کہا تھا کہ صبح مشکوٰۃ کو اس کے ابا کے گھر چھوڑ کر آنا ہے تب سے عواض کا مزاج مزید برہم تھا۔ماں کے کمرے سے جاتے ہی اس نے مشکوٰۃ کو ٹھیک ٹھاک سنائی تھیں۔جس کے باعث اِس وقت مشکوٰۃ کا موڈ بھی اچھا نہیں تھا۔اس لیے لگی لپٹی رکھے بغیر جواب دے ڈالا۔

ہر بار میکے آتے ہوئے اُسے اِسی کشیدگی سے گزرنا پڑتا تھا۔جس سے اس کا دل خراب ہو جاتا تھا۔میکے جانے کی خوشی اس بدمزگی کی وجہ سے پھیکی پڑ جاتی تھی۔

''ہاں مگر مجھے فرق پڑتا ہے۔بہتر یہی ہے کہ تم میرے گھر کے ماحول کی عادت ڈالو اور یہاں دل لگاؤ۔'' عواض نے سلگتے لہجے میں

جواب دیا تھا۔ انداز تحکم ایسا تھا جو مشکوٰۃ کا دل جلا ڈالتا تھا اگر یہی بات وہ محبت سے کہتا تو اس کا اثر کتنا دل پزیر ہوتا۔ مگر عواض کے پاس اس کے لیے بس یہی تند لہجہ اور تیکھا انداز تخاطب تھا۔ وہ دکھ سے سوچ کر رہ گئی اور اس سے پہلے کہ وہ یہ سب کہتی وہ ابا کے گھر پہنچ چکے تھے۔ تیز چلتی کار کو عواض نے یکدم بریک لگایا تو اپنے خیال میں گم بیٹھی مشکوٰۃ کا سر ڈیش بورڈ سے جا ٹکرایا، وہ اس ایمرجنسی بریک کے لیے تیار نہیں تھی۔ بے اختیار سر سہلاتے ہوئے اس بے درد انسان کو ملامتی نظروں سے دیکھا۔

''اب اتر بھی جاؤ۔ کیا مراقبہ کر رہی ہو۔'' عواض نے بجائے پشیمانی کے اسے برہمی سے مخاطب کیا تو وہ کچھ کہنے کے بجائے بددلی سے دروازہ کھول کر کار سے اتر آئی۔ آج دل بہت بھاری ہو رہا تھا۔ وہ عواض سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ وہ کل کتنے بجے اسے پک

کرنے آئے گا مگر وہ اس کا موقع دیے بغیر زن سے گاڑی آگے بڑھا گیا تھا۔اور وہ پیچھے کھڑی کتنی ہی دیر دھول اڑتی دیکھتی رہ گئی۔

چند لمحوں بعد اس نے گہری سانس بھر کر خود کو معتدل کیا، آنکھوں میں آئے آنسو اندر اتارے اور آگے بڑھ کر بیل بجا دی۔

حسب سابق اس کے آنے سے گھر میں رونق اتر آئی تھی۔ابا اور اماں بھی اسے دیکھ کر خوش ہوئے تو اس نے ساری بے زاری اور رنج ذہن و دل سے جھٹک دیا اور ہاتھ آئے اس خوبصورت وقت کو خوشی سے گزارنے لگی۔نجانے یہ موقع پھر کب ملتا۔

اس دن ابا ان سب کو مشکوٰۃ کے پسندیدہ چائنیز ریسٹورنٹ لے کر گئے، جہاں اپنی پسند کی ڈشز آرڈر کرتے ہوئے وہ بہت خوش تھی۔ عواض کو چائنیز کھانے بالکل پسند نہیں تھے۔سو وہ بھی کبھی چائنیز ریسٹورنٹ نہیں جاتی تھی۔کھانے کے بعد اپنی من پسند کولڈ ڈرنک پی

کر اس نے اپنی فیورٹ آئس کریم آرڈر کی تو کانوں میں عواض کا حقارت آمیز جملہ گونج گیا۔

''آئس کریم بھی کوئی کھانے کی چیز ہے۔تم کوئی بچی ہو جو ایسی فضول چیزیں پسند ہیں تمھیں۔اب یہ سب کھا کر اپنا گلا خراب کرو گی اور ساری رات کھانس کھانس کر میری نیند بھی۔ اس لیے کوئی ضرورت نہیں آئس کریم کھانے کی۔کچھ اور آرڈر کرلو۔'' کسی چھوٹے بچے کی طرح اسے جھڑک دیا تھا عواض نے۔

بس وہ پہلی اور آخری بار تھا۔پھر اس کے بعد اس نے دوبارہ آئس کریم کا نام نہیں لیا۔مگر آج اس نے وہ سب کچھ کھایا جو اسے پسند تھا۔

''شکر ہے مشی آج تم نے میرا ساتھ دیا۔سچ میں تمھارے بغیر تو آئس کریم کھانے کا مزہ ہی نہیں رہا تھا۔'' رات کو وہ اپنے اور سلویٰ کے مشترکہ کمرے میں سونے کے لیے آئی تو سلویٰ نے اس سے کہا

تھا۔

''ہمم۔میں نے بھی آج کئی مہینوں بعد آئس کریم کھائی۔'' وہ بے اختیار کہہ گئی تھی۔

''کیا واقعی؟۔کیا تمھارے سسرال میں آئس کریم کھانے پر پابندی ہے؟۔'' سلویٰ نے اس بار قدرے حیرت سے سوال کیا تھا۔

''نہیں۔مگر وہاں کوئی نہیں کھاتا ایسی چیزیں۔ان کے گھر کا ماحول ہمارے گھر سے بہت الگ ہے سلویٰ۔'' سلویٰ کے سوال پر اس کے پردہ تصور پر بہت کچھ ابھر آیا تھا۔گہری سانس بھر کر جواب دیا

''ہوگا ہی۔سب ہی تو highly qualified ہیں اس گھر میں۔'' سلویٰ نے مرعوبیت سے کہا تو وہ نچلا ہونٹ کاٹنے لگی۔

''ویسے تمھارے ماسٹرز کا کیا بنا۔کہیں ایڈمیشن لینے کا سوچا بھی

ہے کہ نہیں یا ابھی تک عواض بھائی کی شخصیت کے حصار میں گم ہیں آپ جناب۔'' اچانک سلویٰ کو یاد آیا تھا۔شرارت سے اسے گدگدایا

''نہ بابا ابھی نہیں۔ سارا سارا دن عواض کو کتابوں میں سر کھپاتا دیکھتی رہی ہوں۔اللہ اللہ کر کے تو اس منظر سے جان چھٹی ہے۔میرا فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں۔کچھ ٹائم بعد سوچوں گی۔'' اس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے مصنوعی بے زاری کا اظہار کیا تو سلویٰ نے شوخی سے اسے دیکھا تھا۔

''کچھ ٹائم کے بعد ماسٹرز کی ڈگری نہیں جونیئر عواض ہوگا تمھاری گود میں ۔ پھر بچوں کی نگہداشت میں کر لینا ماسٹرز ۔'' سلویٰ کی برجستہ گوئی پر وہ جھینپ سی گئی تھی۔کھسیا کر تکیہ اسے کھینچ مارا۔تاہم اندر گرتے آنسو اسے خاکستر کیے دے رہے تھے۔

عواض جیسا تند خو اس نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا

تھا۔ کچھ دن قبل محض ایک چابی کے گم ہو جانے پر عواض نے کتنی سخت بات کہہ ڈالی تھی اس سے۔ جو اس کا دل لیر لیر کر گئی تھی۔

عواض نے اپنے بریف کیس کی چابی مشکوٰہ کو سنبھال کر رکھنے کے لیے دی تھی جس میں اسکے تمام اہم دستاویزات رکھے ہوئے تھے۔ جسے مشکوٰۃ نے احتیاط سے رکھ بھی دیا تھا۔ مگر نجانے کیسے الماری میں رکھے کپڑوں کی ترتیب درست کرتے ہوئے وہ چابی اس نے بے دھیانی میں اٹھا کر کہیں اور دھر دی۔ شومئی قسمت اسی دن عواض کو کوئی ڈاکیومنٹ کی ضرورت پڑی تو اس نے چابی مانگی تھی۔

''کہاں گئی چابی۔ کیوں نہیں مل رہی تمھیں۔'' وہ اس کے سر پر کھڑا گرج رہا تھا۔

''میں نے اسی الماری میں رکھی تھی عواض، پتا نہیں کہاں چلی گئی۔'' مشکوٰۃ حواس باختہ سی کپڑوں کو الٹ پلٹ رہی تھی، بے چارگی

سے بولی۔

''کیا مطلب کہاں چلی گئی۔ چابی کے پیر لگے ہوئے ہیں کہ وہ یہاں سے کہیں اور سفر کر گئی۔'' عواض نے طنز کرتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

''تم سے کبھی کوئی کام ڈھنگ سے بھی ہو سکا ہے مشکوٰۃ؟۔ اتنی چھوٹی سی چابی کیا کپڑوں کے ساتھ رکھی جاتی ہے؟، تم اسے کسی دراز میں نہیں رکھ سکتی تھیں۔ کیا ساری زندگی عقل سے پیدل ہی رہو گی۔'' عواض کی جھنجھلاہٹ اب شدید غصے کی شکل اختیار کرنے لگی تھی۔ مشکوٰۃ کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ پھر جتنی دیر وہ چابی تلاش کرتی رہی عواض اس پر طنز و طعنے کے نشتر چلاتا رہا۔

''یہ سب میری غلطی ہے۔ مجھے تم جیسی نکمی عورت کو اتنی اہم چیز دینا ہی نہیں چاہیے تھی۔ پتا نہیں اپنے گھر سے کچھ سیکھ کر بھی آئی ہو تم یا

نہیں

۔محض بونزائی اگانے کے بجائے تم نے گھر سنبھالنا سیکھ لیا ہوتا تو آج میری زندگی میں کچھ سکھ ہوتا۔'' اس کا غصہ ہر گزرتے منٹ کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔جس نے مشکوٰۃ کو مزید نروس کر دیا تھا اس پر اس کے خنجر جیسے الفاظ۔

خدا خدا کر کے چابی جیولری بکس میں رکھی ملی تو اس کی جان میں جان آئی۔

''یہ تو حال ہے تمھارا، ایک ذرا سی چابی تم سے سنبھالی نہیں گئی، پورے گھر کی ذمے داری کیا خاک دی جا سکتی ہے تمھیں۔اور ادھر ماما چاہتی ہیں کہ ہماری اولاد اس دنیا میں آئے۔'' چابی اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے وہ ترش لہجے میں بولا تھا

''پہلے تم ایک اچھی بیوی تو بن جاؤ۔ماں بننا تو بعد کی بات

ہے۔میں تم جیسی لاپرواہ عورت پر اپنی اولاد کی ذمے داری سوچ سمجھ کر ہی ڈالوں گا۔'' کشیدہ تیوروں سمیت وہ اپنا فیصلہ سنا کر تیز قدموں سمیت کمرے سے نکل گیا تھا اور اپنے پیچھے اس کے لیے آنسو کے دریا چھوڑ گیا تھا۔یوں تو وہ اکثر ہی غصے میں تکلیف دہ باتیں کہہ جاتا تھا مگر آج تو حد ہی ہوگئی تھی۔

صبر کے بارے میں اماں کا پڑھایا ہوا ہر سبق آج اس کے حافظے سے مٹ گیا تھا۔وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر خوب روئی۔

☆...☆...☆...☆...☆

اس رات وہ عواض کے لیے کافی بنانے نیچے آئی تو ستارہ اور عباد کے کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے اندر سے آنے والی آوازیں اس کی سماعت پر بار بنیں۔ان دونوں کے درمیان کسی بات

پر تلخ کلامی ہو رہی تھی۔اور اب یہ سب اس کے لیے کچھ نیا نہیں رہا تھا۔شادی کے شروع میں تو اس کے سامنے بہت کچھ ظاہر نہیں کیا جاتا تھا مگر اب عباد اور بختیار صاحب اس کی موجودگی کا لحاظ بھی نہیں کرتے تھے۔ستارہ اور عذرا بیگم آئے دن ان کے عتاب کا شکار رہتی تھیں۔ خود عواض بھی سب کے سامنے اسے سخت سست سنا دیتا تھا۔جس سے بچنے کی وہ ہر ممکن کوشش کرتی کہ عواض کے مزاج کے خلاف کوئی کام نہ کرے مگر کہیں نہ کہیں بھول چوک ہو ہی جاتی تھی۔کچھ یہ بھی تھا کہ اس گھر کے مرد عورت کی غلطی معاف کرنے کے روادار ہی نہیں تھے۔

بہت عجیب ماحول تھا اس گھر کا۔کبھی کبھی مشکوٰۃ کا دم گھٹنے لگتا تھا۔اس وقت بھی اندر سے آنے والی آوازوں نے اس کی طبیعت مکدر کی تو وہ تیز قدموں سے چلتی کچن کی طرف بڑھ آئی، اسے عباد بختیار انکل اور عواض، تینوں کا اونچی آواز میں بات کرنا بہت ناگوار

گزرتا تھا۔اپنے میکے میں اس نے کب ایسا ماحول دیکھا تھا۔یہ سب کچھ اسے مضطرب کیے دے رہا تھا۔اس کے اعصاب پر تھکن سوار ہونے لگی تھی۔

اس وقت بھی نجانے کیا کچھ سوچتے سوچتے اس نے کافی بنائی تھی اور ابھی مگ اٹھا کر کچن سے نکلنے لگی تھی کہ کچن میں داخل ہونے والی ستارہ کے قدموں کی آہٹ نے اسے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کیا۔ستارہ اسے دیکھ کر ٹھٹھک سی گئی۔

''میں عواض کے لیے کافی بنا رہی تھی۔کیا آپ بھی اسی لیے آئی ہیں بھابھی۔''اس نے معمول کے سے انداز میں سوال کیا تو ستارہ نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے یکدم رخ پھیر لیا تھا۔اسکا انداز اتنا عجیب تھا کہ مشکوٰۃ کا متوجہ ہونا فطری تھا۔اس نے ستارہ کو بغور دیکھا تو یوں لگا کہ جیسے وہ کچھ چھپا رہی ہے۔اسے ستارہ کے جسم پر ایک

خفیف سی لرزش طاری محسوس ہوئی تو وہ لامحالہ اس کے قریب چلی آئی۔

''آپ ٹھیک ہیں بھابھی؟۔کہیں طبیعت تو خراب نہیں آپ کی ؟۔'' بے اختیار اس کا رخ اپنی جانب موڑا تو ستارہ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ دھل سی گئی۔جس کے رخسار پر انگلیوں کے سرخ نشان زناٹے دار تھپڑ کے گواہ تھے۔

''بھا۔۔بھی۔۔یہ۔۔یہ ۔۔سب کیا۔۔۔'' الفاظ اسکا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

''کیا ابھی بھی کچھ پوچھنے کی گنجائش باقی ہے مشکوٰۃ؟۔کیا تم واقعی اس سب سے انجان ہو یا بھولی بنتی ہو؟۔'' ستارہ نے سرخ متورم آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال کر پوچھا تھا،اس کا لہجہ انگار ہو رہا تھا۔مشکوٰۃ لمحہ بھر کے لیے دکھ اور شرمندگی کے باعث کچھ بول ہی نہ

سکی بس بے بسی سے ستارہ کو دیکھتی رہی۔اسے گزرے دنوں میں ستارہ کے ہاتھ اور چہرے پر پڑنے والے تمام زخم یاد آنے لگے ۔اسے اپنی پلکوں پر نمی کا بوجھ بڑھتا محسوس ہونے لگا۔

''یہ سب تو اس گھر میں نارمل ہے مشکوٰۃ!۔تم افسوس مت کرو ۔کچھ دنوں میں تم بھی ایسے مناظر دیکھنے کی عادی ہو جاؤ گی یا پھر خود ایسا ظلم سہنے کی۔'' یکدم ستارہ بھیگی پلکوں سمیت طنزیہ انداز سے مسکرادی تھی۔پھر سنگین لہجے میں بولی

''عواض اپنے باپ بھائی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ویلکم آن بورڈ مشکوٰۃ سلیمان۔''اسے ہکا بکا چھوڑ کر ستارہ جن قدموں سے آئی تھی انہی پر لوٹ گئی۔جو کچھ وہ کہہ گئی تھی وہ اسے سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

نمی بہہ کر اس کے گالوں کو تر کرنے لگی۔یکدم اسے شدید گھٹن

نے آلیا تو وہ سب کچھ چھوڑ کر اوپر اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔اور اگلے چند سیکنڈز میں وہ کمرے میں پہنچتے ہی عواض کے کندھے پر سر ٹکا کر بری طرح رو پڑی تھی

''کیا ہوا ہے مشکوٰۃ۔تم رو کیوں رہی ہو؟۔تم تو کافی بنانے گئیں تھیں۔کہاں ہے کافی؟۔''عواض کچھ بوکھلا گیا تھا کئی سوال ایک ساتھ ہی پوچھ ڈالے۔

''عواض! وہ۔۔وہ۔۔بھابھی پر۔۔عباد بھائی نے۔ہاتھ اٹھایا ہے۔ان کا گال سرخ ہو رہا تھا۔بہت بری طرح مارا گیا ہے انہیں۔'' وہ روتے ہوئے اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔جواب میں عواض نے کچھ دیر اسے رونے دیا پھر نرمی سے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ دھر کر اسے خود سے علحیدہ کیا اور اپنے سامنے بٹھا لیا۔

''ریلیکس ہو جاؤ۔لو پانی پیو۔''مشکوٰۃ نے دیکھا،عواض کے

چہرے پر گھمبیر تاثرات تھے۔مگر وہ حیران بالکل نہیں ہوا تھا۔گویا ستارہ کا کہنا درست تھا۔اس گھر کے مکینوں کے لیے یہ سب دیکھنا شاید اب معمول کا حصہ بن چکا تھا۔عواض کے ردعمل نے اسے ششدر کر دیا۔اپنی طرف بڑھائے گئے گلاس کو تھامنے کے بجائے وہ ایک ٹک اسے دیکھنے لگی تھی۔

''تمھیں تو پتا ہے۔عباد بھائی غصے ذرا تیز ہیں۔بھابھی کوئی دفعہ سمجھایا ہے کہ ان سے بحث نہ کیا کریں مگر وہ سنتی نہیں۔ایک بیوی کو اپنے شوہر کے مزاج کو سمجھنا چاہیے۔'' عواض نے کس سنگدلی سے سارا قصور ستارہ کے کھاتے میں ڈال دیا تھا۔

''تو کیا آپ کے نزدیک عباد بھائی کا یہ فعل justified (جائز) ہے۔صرف اس لیے کہ وہ غصے کے تیز ہیں۔'' مارے دکھ سے اس کی آواز لرزنے لگی تھی۔

''اگر ستارہ بھابھی، بھی غصے کی تیز ہوتیں اور ان کا ہاتھ اٹھ گیا ہوتا تو کیا تب بھی آپ ایسا ہی سوچتے؟ اس ظلم کو جائز سمجھتے۔'' عباد کی سفاکی کے بعد عواض کی سنگدلی نے اسے ششدر کر دیا تھا۔

''یہ کیا فضول بات ہے۔ عورت مرد میں فرق ہوتا ہے۔'' عواض کو اس کا سوال کسی بھالے کی طرح جا کر لگا تھا

''کیا فرق ہوتا ہے؟۔ کیا عورت انسان نہیں ہوتی۔ کیا وہ مرد کی طرح گوشت اور ہڈی سے نہیں بنی ہوتی۔ کیا اسے چوٹ نہیں لگتی، اس کی کوئی سیلف اسٹیم نہیں ہوتی۔ سارے جذبات اور احساسات کیا صرف آپ مردوں کے ہوتے ہیں۔ کیا عورت کو شوہر کی بات بری نہیں لگ سکتی۔''

''اب تم بے کار کی بحث کر رہی ہو مشکوٰۃ۔ ایسا کیا پہلی بار ہوا ہے؟۔ ہمارے معاشرے میں ایسا ہونا کوئی حیران کن فعل

نہیں۔'' عواض نے بے زاری سے کہتے ہوئے بے رحمی سے تبصرہ کیا

''قابل تحسین فعل بھی نہیں ہے۔کسی چیز کا معمول بن جانا اس کے درست ہونے کی دلیل نہیں۔'' اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔عواض کے چہرے پر تحریر بے زاری اس نے پڑھ لی تھی۔

''تو درست تو یہ بھی نہیں کہ بیوی اپنے شوہر کے مزاج کو جانتے ہوئے بھی اسے اپنی باتوں سے غصہ دلائے۔پھر ظاہر ہے رد عمل تو آئے گا۔'' عواض نے اس کی بات کے جواب میں دو بدو کہا تو وہ لمحے بھر کے لیے اسے دکھ سے دیکھتی رہ گئی۔

''تو گویا آپ کے نزدیک عباد بھائی حق پر ہیں؟۔''

''یہ ان دونوں پارٹنرز کا آپس کا معاملہ ہے، میں نہیں سمجھتا کہ ہم میں سے کسی کو ان کے بیچ میں بولنا چاہیے۔'' اس نے مشکوٰۃ کے

چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے سیاسی بیان دیا۔

''مگر میں ظلم کے خلاف خاموش نہیں رہ سکتی۔ میں انکل بختیار کے پاس جا رہی ہوں۔'' وہ فیصلہ کن لہجے میں کہتی دروازے کی طرف بڑھی تھی کہ عواض جست بھر کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''کوئی ضرورت نہیں ان کے پاس جانے کی۔'' اس نے مشکوٰۃ کی راہ روک لی تھی

''ضرورت ہے۔'' مشکوٰۃ نے ہٹ دھرمی سے کہا۔ ''آپ یہ سب برداشت کر سکتے ہوں گے میں نہیں۔ ہم کسی جنگل میں نہیں رہ رہے جہاں درندے کمزور جانوروں کو مار کر کھا جاتے ہیں۔ اور کسی کو پرواہ بھی نہیں ہوتی۔'' وہ ایک سائیڈ سے نکل کر جانے لگی تھی کہ عواض نے یکدم اس کا بازو تھام کر اسے روک لیا۔

''اسٹاپ اٹ مشکوٰۃ۔ میں نے کہا نا کہیں جانے کی ضرورت

نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنے انکل بختیار کے کمرے سے بھی تمھیں ایسا کچھ سنائی دے جو تمھیں مزید آنسو بہانے پر مجبور کر دے۔'' لہجے میں ہی نہیں عواض کی انگلیوں کے لمس میں بھی سرد مہری تھی۔

الفاظ تھے کہ قطب شمال سے آنے والی برفیلی ہوا، مشکوٰۃ کو ریڑھ کی ہڈی میں کوئی سنسناہٹ اترتی محسوس ہوئی۔ اس نے خوفزدہ نظروں سے عواض کی طرف دیکھا تھا۔ کچھ تھا اس کی آنکھوں میں جس نے عواض کو اس کے بازو پر اپنی گرفت ڈھیلی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆...☆...☆...☆...☆

''عواض مجھے آج ابا کے گھر جانا ہے۔ کیا آپ آفس جاتے ہوئے مجھے وہاں ڈراپ کر دیں گے۔'' ناشتے کے بعد وہ اسے آفس جانے

کے لیے تیار ہونے میں مدد دیتے ہوئے بولی تو عواض نے چونک کر اسے دیکھا

''کیوں؟۔ابھی چھ دن پہلے ہی تو تم گئی تھیں ان کے گھر۔تمھیں پتا ہے نا کہ پندرہ دن میں ایک بار ہی جانے کی اجازت ہے تمھیں۔''عواض کا لہجہ تند تھا۔

''تو یہ قانون کی کس کتاب میں لکھا ہے کہ لڑکی صرف پندرہ دن میں ایک بار ہی میکے جا سکتی ہے۔''نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا انداز بھی تیکھا ہو گیا تھا۔

''اس گھر کے قانون کی کتاب میں درج ہے یہ۔اور یہ دستور سازی تمھارے سسر صاحب نے کی ہے۔جیسے تم اس گھر میں ان کی پسند اور مرضی سے آئی ہو۔یہاں سے جانے کے لیے بھی ان ہی کی اجازت درکار ہے تمھیں۔''رسٹ واچ کلائی پر باندھتے ہوئے

عواض کا استہزائیہ انداز مشکوٰۃ کو بہت تکلیف دہ لگا۔

''آخر آپ مجھے بار بار یہ کیوں باور کراتے رہتے ہیں کہ میں آپ کا انتخاب نہیں۔ اگر انکل کا فیصلہ آپ کو قبول نہیں تھا تو اس وقت انکار کیوں نہیں کر دیا آپ نے۔'' اس بار وہ تڑخ گئی تھی۔ ٹائی اسے پکڑانے کے بجائے بیڈ پر پھینک دی تھی اس نے۔

''اس وقت پاپا کے فیصلے کی سنگینی کا احساس نہیں تھا اس لیے۔ اندازہ نہیں تھا کہ بظاہر خوبصورت نظر آنے والی لڑکی ایسی بھی ہو سکتی ہے، جسے کسی چیز کا سینس ہی نہیں ہوگا۔ انگلی پکڑ کر چلانا پڑ رہا ہے تمھیں۔ شادی کو اتنا وقت گزر چکا ہے مگر تم ابھی تک تم میری پسند کے سانچے میں ڈھل نہیں سکیں۔'' عواض نے تلخی سے جواب دیا تو اس کی برداشت جواب دینے لگی۔

''میں کوئی بازار سے خریدا ہوا کپڑا نہیں عواض جسے آپ کاٹ کر

اپنے ناپ اپنے حساب کا بنالیں گے اور نہ موم کی گڑیا ہوں جسے اپنی مرضی کی شکل دے لیں گے آپ۔ میری اپنی ایک شخصیت ہے۔اس گھر میں آنے سے پہلے بھی میں ایک جیتا جاگتا سوچنے سمجھنے والا انسان تھی اور اب بھی ہوں۔اور پھر میری پسند ناپسند کو کب اہمیت دی آپ نے۔ میں آگے پڑھنا چاہتی تھی اس سے روک دیا آپ نے، میکے جانے کی بھی اجازت نہیں، اپنی پسند سے میں کھا پی سکتی ہوں نہ پہن اوڑھ سکتی ہوں حتیٰ کہ گارڈننگ کرنا بھی منع کر دیا گیا مجھے۔آپ کا بس نہیں چلتا کہ مجھے سانس لینے سے بھی روک دیں۔'' وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے لہجے سے کمزوری ظاہر ہو مگر یہ سب کہتے کہتے اس کا لہجہ بھیگنے لگا تھا۔

''بس شروع ہو گئے تمھارے ڈرامے۔سخت چڑ ہے مجھے ان حرکتوں سے۔'' عواض نے بے زاری سے اسے دیکھا تھا۔اور اس

سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی اس کا بازو پکڑ کر ایک طرف کرتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

اہانت کے شدید احساس نے اسے اپنے لپیٹ میں لیا تو وہ تکیے میں منہ چھپا کر رو پڑی۔ اپنے دکھ کے ساتھ ساتھ یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ اب اماں کو کیا کہے گی، جنہوں نے سلویٰ کے سلسلے میں کل کچھ مہمانوں کو مدعو کر رکھا تھا۔

☆...☆...☆...☆...☆

"چٹاخ۔"

ایک زناٹے دار طمانچے نے اس کی آنکھوں کے سامنے زمین آسمان ایک کر دیے تھے۔ وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی، اپنے قدموں پر کھڑے رہنا اس کے لیے ناممکن ہو گیا۔

''اف۔'' اسے لگا جیسے اس کے رخسار پر کسی سے دہکتا ہوا انگارہ رکھ دیا ہو۔

''تمھاری جرات کیسے ہوئی میرے منع کرنے کے باوجود لان میں جانے کی۔ بہت شوق ہے تمھیں اپنا آپ دکھانے کا۔'' تھپڑ سے زیادہ یہ رکیک الزام اس کے حواسوں کو مختل کرنے کا موجب بنا تھا۔

مشکوٰۃ ''کاٹو تو بدن میں لہو نہیں'' کے مصداق بس ایک ٹک طیش میں بل کھاتے عواض بختیار کو دیکھے جا رہی تھی۔ جو اس کی نازک کلائیوں کو دونوں ہاتھوں میں دبوچے بری طرح جھنجھوڑ رہا تھا۔ اُس کے اعصاب اس وقت کچھ ایسے منجمد ہو گئے تھے کہ اس نے خود کو چھڑانے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ تاہم عواض کی وحشیانہ گرفت اس کی کلائیوں کو درد سے چور کر رہی تھی

اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ عواض کا ردعمل اس قدر شدید اور بے رحمانہ ہوگا۔ جس دن سے اس نے مشکوٰۃ کے گارڈننگ کرنے پر پابندی لگائی تھی اس نے لان میں جانا ہی چھوڑ دیا تھا، مگر پچھلے دو ہفتوں سے مالی کے نہ آنے کی وجہ سے گھاس بہت بڑھ گئی تھی ساتھ ہی کیاریوں میں جھاڑ جھنکار اگ آیا تھا۔ عواض کے اسے ابا کے گھر جانے سے منع کر دینے کے باعث وہ بہت اداس تھی ایسے میں عذرا بیگم نے اس کی اداسی کو مٹانے کی خاطر اسے لان کی نوک پلک سنوارنے کی اجازت دے دی۔

''مگر آنٹی عواض نے مجھے منع کیا ہے لان میں جانے سے۔''

''وہ شام میں واپس آئے گا آفس سے۔ جب تک تم اپنا کام آرام سے کر لینا۔''

''اور انکل، اگر وہ آ گئے تو؟۔'' اس نے سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا

''ان کی تم فکر مت کرو، بختیار صاحب کل شام کو واپس آئیں گے لاہور سے ۔تم مطمئن رہو یوں بھی آج کھانا بنانے کی باری سامعہ کی ہے۔'' عذرا نے پیار سے کہا تو وہ خوش ہو کر ان کے گلے لگ گئی۔

عذرا جانتی تھیں کہ عواض کی بہت سی پابندیاں سراسر ناانصافی پر مبنی تھیں، مگر بختیار صاحب انہیں اپنی اولاد کو بھی نصیحت کرنے کا حق نہیں دیتے تھے۔ان کے علم میں لائے بغیر کبھی کبھار وہ بیٹوں کو اپنے تئیں سمجھانے کی کوشش کرتی تھیں مگر تا حال وہ کاوشیں نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی تھیں، دونوں بیٹوں کی رگوں میں بختیار صاحب کا خون دوڑ

رہا ہے اس کا ثبوت بیویوں کے ساتھ روا، ان کے بدصورت سلوک سے بھی ظاہر تھا۔ایسے میں جہاں تک ان کے لیے ممکن ہوتا تھا وہ دونوں بہوؤں کا ساتھ دیتیں۔

آج بھی مشکوٰۃ کی اداسی ان سے دیکھی نہ گئی تو اسے اپنا پسندیدہ مشغلہ اختیار کرنے دیا۔میکے جانے کی اجازت دینا تو ان کے اختیار میں

نہیں تھا لیکن گھر کے اندر تو وہ اسے خوشی دے سکتی تھیں۔ان کے اور مشکوٰۃ کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ عواض اپنے مقررہ وقت سے اتنا پہلے واپس آجائے گا۔اور عین اس وقت جب پڑوس کے لڑکے اپنے ٹیرس پر ٹنگے لان میں پودوں کی کاٹ چھانٹ کرتی مشکوٰۃ کو نہ صرف دیکھ رہے تھے بلکہ موبائل سے وڈیو بھی بنا رہے تھے۔عواض وہاں آگیا اور ان لڑکوں کی یہ مذموم حرکت بھی اس کی نظر میں آگئی تھی۔اگر

عذرا کو اس بات کا ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو وہ مشکوٰۃ کو لان پر قدم ہی نہ دھرنے دیتیں۔

مگر یہ اندوہناک واقعہ رو پزیر ہونا ہی تھا۔ سو ہو کر رہا۔ وہ لڑکے تو عواض کو گیٹ سے اندر داخل ہوتا دیکھ کر اپنے ٹیرس سے اندر کی طرف بھاگ گئے مگر اپنے کام میں مگن مشکوٰۃ عواض کے غضب کا شکار ہوگئی۔ جس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اسے گھسیٹتا ہوا گھر کے اندر لایا۔ مشکوٰۃ اس درشت رویے کے لیے تیار نہیں تھی اس لیے حواس باختہ سی اس کے ساتھ کھنچتی چلی آئی۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں عواض۔ چھوڑیں مجھے۔'' وہ اس بہیمانہ رویے پر گھبرا کر چلانے لگی تھی۔ جسے نظر انداز کرتے ہوئے عواض نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اسے اپنے سامنے کھڑا کیا اور پھر ایک زوردار طمانچہ اس کے رخسار پر دے مارا تھا۔

''عواض یہ تم کیا کر رہے ہو۔'' عذرا بیگم مشکوٰۃ کی چیخ پکار سن کر کچن سے گھبرا کر نکلی تھیں مگر جو منظر ان کی آنکھوں نے دیکھا وہ ان کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ ''میں کہتی ہوں چھوڑ دو اسے۔ آخر کیا کیا ہے مشکوٰۃ نے۔'' وہ جیسے کسی بھیانک خواب سے جاگی تھیں آگے بڑھ کر عواض کی گرفت سے اسے چھڑانے کی کوشش کی۔ مگر عواض کی رگوں میں تو جیسے شرارے دوڑ رہے تھے۔

''یہ آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں، کہ اس نے کیا کیا ہے۔ اس گھر میں آپ کی ناک کے نیچے کیا ہو رہا ہوتا ہے کیا اس کی خبر آپ کو نہیں ہوتی۔ اور اگر نہیں ہوتی تو کیوں نہیں ہوتی۔ پوچھیں اس سے، جب میں نے منع کر دیا تھا اسے تو یہ کیا کر رہی تھی لان میں۔ ان آوازرہ لڑکوں کو دعوت نظارہ دیا جا رہا تھا۔'' ماں سے نہایت بدتمیزی سے بات

کرتے ہوئے وہ قہر آلود نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا یوں لگتا جیسے ان لڑکوں کا غصہ بھی مشکوٰۃ کی طرف منتقل ہو گیا ہو۔

''ہوش میں آؤ عواض۔ کچھ پتا بھی ہے کیا کہہ رہے ہو تم۔'' عذرا بیگم کے اندر سے یکدم غصہ ابل پڑا تھا۔ کوشش کر کے مشکوٰہ کی کلائیوں کو اس کی آہنی گرفت سے نکالا۔ اور اپنا بازو اس کے کندھے پر دراز کر کے اسے اپنے قریب کر لیا۔

''اچھی طرح پتا ہے مجھے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور کسے کہہ رہا ہوں۔'' وہ تلملا رہا تھا

''تمھیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے عواض بیٹا۔ مشی تو۔۔۔'' عذرا نے اپنے غصے کو کنٹرول کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا مگر عواض نے درشتی سے ان کی بات کاٹ دی۔

''غلطی مجھ سے نہیں آپ لوگوں سے ہوئی ہے ماما۔ یہ لڑکی چنی

آپ لوگوں نے میرے لیے جسے میری عزت اور میرے حکم کی ذرہ برابر پرواہ نہیں۔ جسے اپنا آپ دکھانے کے لیے۔۔۔

''باااس۔عواض بس۔'' یکدم وہ چیخ پڑی تھی۔اس کی آواز لاؤنج میں ہی نہیں پورے گھر میں گونج گئی تھی، گلے میں جیسے کوئی خراش سی پڑ گئی تھی، آج سے پہلے اس نے کبھی اتنی اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی۔ یہ چیخ پکار سن کر ستارہ بھی اپنے کمرے سے نکل آئی تھی۔

''اب اگر میرے کردار کے بارے میں مزید ایک لفظ بھی آپ نے اپنی زبان سے نکالا تو میں وہ کر گزروں گی جو آپ نے سوچا بھی نہیں ہوگا۔'' وہ بولی تو یوں لگا جیسے کوئی آگ بھڑک اٹھی ہو۔ پورے وجود میں لاوے کی گردش کیا ہوتی وہ اس تجربے سے گزر رہی تھی۔

عذرا بیگم نے گھبرا کر اسے کچھ کہنا چاہا مگر وہ بری طرح بپھر چکی

تھی۔عواض کے لیے اس کے یہ تیور بہت حیران کن تھے۔ایک لمحے کے لیے وہ جیسے ٹھٹھک سا گیا۔

''بری میں نہیں ۔ بری آپ کی سوچ ہے، آپ خود برے ہیں۔ ایک خودسر اور بے رحم شخص ہیں آپ۔سچ تو یہ ہے کہ آپ نے اول دن ہی سے مجھے دل سے اپنایا نہیں، بس اپنے پاپا کا حکم سمجھ کر قبول کیا تھا۔اسی لیے ہر بار میری ہتک کرتے رہے، میری تذلیل کرتے رہے۔ یہ سب محسوس کرتے ہوئے بھی میں نے بہت چاہا کہ آپ کا دل جیت سکوں، بہت کوشش کی کہ آپ کے بنائے ہوئے سانچے میں ڈھال لوں خود کو مگر نہیں۔آپ کے دل کا گلیشئر کبھی نہیں پگھلا نہ کبھی پگھلے گا۔کیونکہ اس رشتے کو نبھانے کی حقیقی خواہش ہی نہیں ہے آپ کو۔درحقیقت آپ یہ منوانا چاہتے تھے کہ میں آپ کے لیے ایک اچھا انتخاب نہیں۔اس لیے آپ نے ہر وہ قدم اٹھایا جس سے آپ اپنے

پاپا کے فیصلے کو غلط ثابت کر سکیں۔'' مشکوٰۃ کے گرم گرم آنسو اس کے گال دہکائے دے رہے تھے۔ وہ جب بولی تو دکھ اور رنج کے باعث اس کی آواز اور خود وہ غصے سے کانپ رہی تھی۔

''اور آج آپ نے واقعی یہ ثابت بھی کر دیا اور وہ آخری حد بھی پھلانگ لی جس کے بعد شوہر اور بیوی کے درمیان کچھ باقی نہیں رہتا۔ صرف یہ تھپڑ ہی نہیں یہ بہتان بھی آپ کے کردار کا عکاس ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ میں نہیں بلکہ آپ میرے لائق نہیں ہیں۔ اس لیے میں اس زبردستی کے بندھن اور اس رشتے سے آج آپ کو آزاد کرتی ہوں۔ رہیں خوش اپنی جنت میں۔ میں اب اس گھر میں نہیں رہوں گی۔'' یکدم اس نے بے دردی سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔ عذرا اس کی کیفیت دیکھ کر ڈر سی گئیں مگر مشکوٰۃ جیسے کسی فیصلے پر پہنچ چکی تھی۔

اوراس سے پہلے کہ کوئی بھی کچھ بول پاتا وہ تیز قدموں سے چلتی اپنے کمرے میں جا کر بند ہوگئی تھی۔ یہ سب کچھ ایسی تیزی میں ہوا کہ عواض بھی کچھ نہ کہہ سکا اورلب بھینچ کراسے جاتا دیکھتا رہا۔ چند الفاظ میں وہ اس کی ذات اوراس کی سوچ کا بہترین خلاصہ کرگئی تھی

''بہت زیادتی کی تم نے عواض۔ مشکوٰۃ جیسی پاکباز بچی کے کردار پر تہمت لگانے سے پہلے تم نے ذرا نہیں سوچا کہ اپنے رب کو کیا جواب دو گے۔'' عذرا بیگم رنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔ ''وہ تو جا بھی نہیں رہی تھی لان میں، تمھارے حکم کی پابند جو تھی، مگر میں نے ہی اسے اجازت دی کہ کچھ دیر کے لیے وہ اپنا دل بہلا لے۔ آج سلویٰ کو لڑکے والے دیکھنے آرہے تھے، وہ اپنے ابا کے گھر جانا چاہتی تھی مگر تمھاری بات کا پاس رکھتے ہوئے نہیں گئی۔ مگر بہت اداس تھی وہ آج

۔بس اسی وجہ سے میں نے اسے کہا تھا کہ لان کی حالت کو سدھار دے۔اور تم نے اس پر اتنا بڑا الزام دھر دیا۔صحیح کہہ رہی تھی وہ۔اس کے کردار کی یہ گھٹیا پیمائش کر کے آج تم نے اپنا کردار ثابت کر دیا ہے۔"

غصہ رنج اور مایوسی، عذرا بیگم کی آواز میں کیا کچھ نہیں تھا۔عواض نے یکدم کسی احساس میں گھرتے ہوئے عذرا بیگم کی طرف دیکھا جو آنسو پیتے ہوئے عواض اور مشکوٰۃ کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ رہی تھیں جس میں مشکوٰۃ نے خود کو مقید کر لیا تھا۔ان کے ہاتھ دروازے پر دستک دے رہے تھے جسے ابھی کھلنا نہیں تھا۔

"مجھے طلاق چاہیے۔"

کمرے میں طاری سکوت کو اس کی رسانیت بھری آواز نے توڑ

اتھا جوکئی گھنٹے روتے رہنے کے باعث بھاری ہوگئی تھی۔اس کا لہجہ معتدل اور چہرے پرسکون درج تھا۔سامنے بیٹھی عذرا بیگم حیرت و دکھ سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔وہ کیا کوئی بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ اس گھر کے درودیوار آج یہ سب بھی سنیں گے۔مگراس سے پہلے کہ اس سے کچھ کہا جاتا وہ ایک بار پھر بول پڑی تھی۔

''میں اس toxic رشتے سے نکلنا چاہتی ہوں۔مزید نہیں سہہ سکتی۔''اس مرتبہ بھی اس کا انداز دوٹوک اور فیصلہ کن تھا۔

آج کا پورادن وہ کمرے میں بند رہی تھی اوراب جب سب رات کا کھانا کھا کراپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔وہ ان کے پاس اپنا فیصلہ سنانے آئی تھی۔

''مگر۔۔۔''

''اگر مگر لیکن چنانچہ۔۔اس سب سے بہت آگے نکل گئی ہے

بات۔''اس نے نرمی سے قطع کلامی کی تھی۔

''کیا تم اُسے ایک بار موقع نہیں دے سکتیں۔''

''موقع دینے کا موقع بھی اب جا چکا ہے۔آپ کے علم میں ہے یہ بات۔''اس نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے افسردگی سے جواب دیا۔

''کیا تم ایک کوشش اور نہیں کرو گی۔''عذرا بیگم کی آس بھری آواز نے اسے نظریں جھکانے پر مجبور کیا۔

''یقین جانیے میں اس پر بھی قادر نہیں۔کوشش اور کاوش کا موسم عرصہ ہوا بیت چکا ہے۔خزاں رسیدہ درختوں پر تو پھول پتے آسکتے ہیں مگر جو درخت سوکھ جائیں ان پر بہار بھی مہربان نہیں ہو سکتی۔''چند لمحے کمرے میں ایک بار پھر خاموشی گونجتی رہی تھی جسے اس کے ہموار لہجے نے توڑا تھا۔

''میں فیصلہ کر چکی ہوں بس اتنا جاننے آئی تھی کہ کیا اس معاملے میں میری مدد کی جائے گی؟۔'' گہری سوچ سمیت اس نے جھکی نظریں اٹھائی تھیں، جن میں سوال تھے۔

تاسف تھا۔ تھکن تھی

مگر شکست نہیں تھی۔ وہ ہار کر۔ ٹوٹ کر۔ بھی شکست خوردہ نہیں لگ رہی تھی۔

''کیسی مدد؟۔'' عذرا نے درد سے چور لہجے میں استفسار کیا تھا۔

''بس اتنی کہ میرے اس مطالبے پر میری جانب اٹھنے والی انگلیوں میں سے کوئی انگلی آپ کی نہ ہو۔ ہو سکے تو اتنا ساتھ دیجیے گا اور جو یہ بھی نہ کر سکیں تو میں اپنا حق حلال کرتی ہوں آپ پر۔'' ٹھہرے ہوئے

لہجے میں کہتی وہ ان کی آنکھوں میں سیلاب لانے کا سبب بنی تھی۔

''مت کرو ایسا پلیز۔'' سامنے کھڑا وجود اسے اشکوں سے بھگو دینا چاہتا تھا۔

''انسانیت کے واسطے، مجھے مت روکیے۔ ورنہ پچیس سال بعد میں بھی کسی اور سے یہی استدعا کر رہی ہوں گی I have to break the cycle۔ اس کڑی در کڑی بنتی زنجیر کے تسلسل کو کسی نہ کسی کو توڑنا ہوگا۔ مجھے بارش کا پہلا قطرہ بننے دیں۔'' اپنے حصے کے آنسو وہ فرصت سے بیٹھ کر بہا چکی تھی۔ اور اس وقت اپنا فیصلہ سناتے ہوئے اس کا لہجہ بے لچک اور آنکھیں خشک تھیں۔

بات مکمل کر کے وہ رکی نہیں تھی۔ چند لمحے کمرے میں خاموشی گونجتی رہی جسے اس کے باہر جاتے قدموں کی آہٹ نے ضرب لگائی تھی اور پھر دروازے کے بند ہونے کی آواز کے ساتھ ہی کمرہ ایک

بار پھر تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔

''اے میرے مالک۔تُو قادر مطلق ہے ایسا نہ ہونے دے۔ایسا ہونے سے روک لے۔'' ایک بار پھر ان کے آنسو تسبیح کے دانوں کی طرح گرنے لگے تھے اور خاموش لبوں سے نکلتی دعائیں فضا میں تحلیل ہونے لگیں۔

بیٹے کا گھر ٹوٹنے کا دکھ وہ کیسے برداشت کریں جسے انہوں نے بڑی محبت سے بسایا تھا۔

☆...☆...☆...☆...☆

اور پھر بختیار صاحب کے سلطنت میں جیسے بھونچال ہی آ گیا۔ جس نے بھی اس کا فیصلہ سنا حیرت سے اپنی جگہ ٹھٹھک سا گیا۔ بھلا اس گھر کے در و دیوار نے یہ سب پہلے کہاں دیکھا تھا۔آج سے پہلے تو

اس گھر کی کسی عورت نے بد سے بدتر سلوک پر بھی طلاق تو دور کی بات احتجاج کی روش تک نہیں اپنائی تھی۔ پھر یہ سب کیا تھا۔

مشکوٰۃ سلیمان ان سب کے لیے ایک امتحان بن گئی تھی۔ عذرا اور سامعہ کے بعد ستارہ بھی اسے سمجھانے آ گئی تھی۔

''ایک بار پھر سوچ لو مشی! گھر ٹوٹ جائیں تو آسانی سے نہیں جڑتے۔'' ستارہ آنکھوں میں نمی لیے ملول لہجے میں نصیحت کر رہی تھی۔

''اور جو دل ٹوٹ جائیں بھابھی؟۔'' اس نے تڑپ کر سوال کیا تھا

''گھر بسانے کے لیے کمپرومائز کرنا پڑتا ہے مشی۔''

''یہ کمپرومائز نہیں بھابھی، اسے ظلم سہنا کہتے ہیں۔ پہلی بار جب ہاتھ اٹھایا گیا تھا، اس وقت آپ نے سمجھوتے کے بجائے احتجاج کیا ہوتا تو آج آپ یوں زخم زخم نہ ہوتیں۔'' اس نے ستارہ کے ہاتھ پر

پڑے نیل کی طرف دیکھتے ہوئے تاسف سے کہا تھا

''میرے پاس میکے کا مان نہیں تھا مشی۔طلاق کا دھبہ لے کر میں اپنے چچا کے گھر واپس نہیں جا سکتی تھی۔انہوں نے رخصتی کے وقت کہہ دیا تھا کہ اب عباد کے گھر سے میرا جنازہ ہی نکلنا چاہیے۔'' ستارہ افسردگی سے بولی

''میرے ابا ایسے نہیں۔ان کے گھر کے دروازے مجھ پر کبھی بند نہیں ہو سکتے۔'' اس کے مضمحل لہجے میں مان تھا۔

''طلاق یافتہ بیٹی کا بوجھ اٹھانا کسی بھی باپ کے لیے آسان نہیں ہوتا مشی۔ اس معاشرے کا عجیب المیہ ہے، کہیں بیٹیاں ناجائز طریقے سے سسرال والوں کو پریشان کر رہی ہیں پھر بھی ان کے والدین انہیں سپورٹ کرتے ہیں اور کہیں یہ حال ہے کہ میکے والے

خود کہتے ہیں کہ دکھ سہو مگر وہیں رہو۔"

"مگر مجھ میں اتنا ضبط نہیں بھابھی میں ایسا نہیں کر سکتی۔ مجھے لگتا ہے میرا دل پھٹ جائے گا۔"

"ایک بار پھر سوچ لو مشی! طلاق یافتہ لڑکی کو معاشرہ جینے نہیں دیتا۔"

"اور یہاں میرا دم گھٹ جائے گا بھابھی۔"

"تھوڑا برداشت کر کے دیکھ لو مشی۔ وقت کے ساتھ ساتھ حالات سازگار ہو جائیں گے۔ میں بھی اپنی انا پر پیر رکھ تھوڑا جھکی ہوں تو عباد بھی اب پہلے جیسے نہیں رہے۔ بہت بدل گئے ہیں وہ۔"

"وہ نہیں آپ بدل گئی ہیں بھابھی!۔ آپ نے اپنی انا کا نہیں عزت نفس کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ میں نے بھی شروع دن سے ایسا ہی کیا تھا مگر اب بات انا اور عزت نفس سے بڑھ کر کردار پر آ گئی اور اس

معاملے میں سمجھوتے کی کوئی راہ بھی مشکوٰۃ سلیمان کو قابل قبول نہیں۔"

اس نے اٹل فیصلہ کر لیا تھا اور اس سے پیچھے ہٹنے کا اس کے پاس کوئی محرک نہیں تھا۔

نہ گلاب لہجے میں کہی گئی خوبصورت باتیں تھیں نہ حسین لمحات کی پائیدار یادیں۔

حتیٰ کہ اپنے دل پر حکومت کرتی عواض بختیار کی محبت بھی اس کے قدموں کی رکاوٹ نہ بن سکی اور اگلی صبح وہ زخمی دل لیے اپنے شوہر کے گھر کی دہلیز پار کر گئی۔

اس سے پہلے کہ بے وفا ہو جائیں
کیوں نہ اے دوست ہم جدا ہو جائیں
تو بھی ہیرے سے بن گیا پتھر

ہم بھی کل جانے کیا سے کیا ہو جائیں
بندگی ہم نے چھوڑ دی ہے فراز
کیا کریں لوگ جب خدا ہو جائیں

☆...☆...☆...☆...☆

اتوار کے دن صبح آٹھ بجے جب اس نے ابا کے گھر کی بیل بجائی تو دل غم سے بوجھل ہو رہا تھا۔ سال بھر پہلے اس نے بہت سی دعاؤں کے ساتھ یہ دہلیز پار کی تھی۔ اماں اور سلوٰی کی ساری نصیحتیں پلو سے باندھ کر نکلی تھی وہ اس گھر سے۔ مگر کبھی کبھی حالات ایسے ناموافق ہو جاتے ہیں کہ انسان کا سارا استدلال اور مستقبل کے لیے کی گئی تمام پیشن گوئیاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ وہ جو سلویٰ سے کہتی تھی کہ وہ اماں جیسی نہیں، وہ کسی کا ناروا سلوک برداشت نہیں کرے گی،

وہ عواض کے ہاتھوں حد درجہ تذلیل سہہ کر بھی لبوں پر مسکان سجائے رکھتی تھی۔مگر کل شام وہ جیسے اپنا ضبط ہار بیٹھی تھی۔

'السلام علیکم ابا۔''

''وعلیکم السلام۔ارے مشی بیٹا تم۔'' ابا اسے یوں اچانک دیکھ کر خوش ہونے کے ساتھ حیران بھی رہ گئے تھے۔''چلو اندر آؤ۔'' انہوں نے اسے اندر آنے راستہ دیتے ہوئے کہا تھا۔پھر گیٹ بند کر کے اس کی طرف پلٹ کر اسے غور سے دیکھا تو فکرمندی ان کے چہرے پر چھا گئی۔وہ آج پہلی بار اکیلے میکے آئی تھی،عواض ساتھ نہیں تھا اس کے۔انہوں نے دیکھا خلاف معمول وہ اس وقت گھر کے سادہ لباس میں ملبوس تھی حالانکہ وہ جب بھی میکے آتی تھی خوبصورت لباس اور ہلکی پھلکی زیبائش اس کی آسودہ حالی کا مظہر ہوتی تھی،لبوں پر کھلتی ہوئی مسکراہٹ اس کی خوشی کا اظہار ہوتی تھی،مگر اس وقت ستے

ہوئے چہرے اور ضبط گریہ سے سرخ ہوتی آنکھیں جھکائے وہ ایک چھوٹی سی ٹرالی گھسیٹتی گیٹ میں داخل ہوئی تھی۔

''اتنی صبح صبح کیسے آنا ہوا بیٹا۔سب خیر ہے؟۔'' سلیمان صاحب کے وجدان نے کوئی اشارہ دیا تھا جیسے، انہوں نے اس کا سر تھپکتے ہوئے شفقت سے پوچھا تو جیسے سارے بند یکدم ٹوٹ گئے۔وہ بے اختیار ابا کے سینے سے سر ٹکا کر رو پڑی۔

''میں آپ کے گھر واپس آ گئی ہوں ابا۔وہ گھر چھوڑ دیا ہے میں نے۔کیا آپ کے دل کی طرح ابھی بھی اس گھر میں بھی میری جگہ ہے ابا؟۔'' آنسو تسبیح کے دانوں کی طرح گر رہے تھے۔اس کا ٹوٹا ہوا لہجہ اس کے غم کی داستان سنا رہا تھا۔

سلیمان صاحب نے اس کا چہرہ اونچا کر کے دیکھا تو اس کے سوجے ہوئے رخسار اور آستینوں سے جھانکتی کلائیوں پر بنے نیل ان

کی عمیق نگاہوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ درد کی ایک شدید لہر تھی جو انہیں پچھاڑتی چلی گئی تھی۔

''واپسی کا سفر میں نے انگاروں پر طے کیا ہے ابا۔ یہ تھپڑ میں نے اپنے چہرے پر نہیں اپنی روح پر کھایا ہے۔ اپنے ضبط کی آخری حد آزمانے کے بعد یہاں آئی ہوں میں۔ یقین کریں میں نے اس کہیں زیادہ اپنے دل پہ سہا ہے۔'' اپنے رخسار پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا تھا اور پھر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی تھی۔

''اوپر چلو بیٹا۔'' سلیمان صاحب نے بھاری لہجے میں اسے پکارا اور شفقت سے اس کا سر تھپکا تو اس نے امید سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ ان کے چہرے پر ناراضی کے بجائے دکھ اور ہمدردی تھی۔ مشکوٰۃ کے جلتے دل پر جیسے ٹھنڈی پھوار برس پڑی تھی۔

ستارہ کی باتوں سے جو فکرمندی اس کے ذہن پر چھائی ہوئی تھی اسے ابا کے رویے نے مٹا دیا تھا۔کم از کم اس کے ابا اسے غلط نہیں سمجھتے ، اس کے لیے یہی بہت تھا۔مگر ان کے چہرے پر جو دکھ رقم ہوا تھا وہ اس کے دل کو اور بھی کرب میں مبتلا کر رہا تھا۔

☆...☆...☆...☆...☆

''بہت خوب برخوردار! تم سے ایک چھٹا نک بھر کی لڑکی نہیں سنبھالی گئی۔بس یہی سیکھا تم نے اپنے باپ اور بھائی کی زندگی سے۔ افسوس ہے تم پر۔'' بختیار صاحب نے استہزائیہ لہجے میں اسے مخاطب کیا تو وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔مگر عذرا بیگم سے چپ نہ رہا گیا۔

''یہ آپ کس طرح کی بات کر رہے ہیں بختیار صاحب! یہاں

بیٹے کا گھر خراب ہو رہا ہے اور آپ اسے سمجھانے کے بجائے الٹا۔۔۔۔

''تم خاموش رہو بے وقوف عورت۔ تمھیں بولنے کے لیے نہیں کہا میں نے۔'' انہوں نے توہین آمیز لہجے میں عذرا بیگم کو ڈپٹ کر خشمناک نظروں سے گھورا تھا۔ ''یہ سب تمھاری بلا وجہ کی طرف داری کی وجہ سے ہوا۔ اس لڑکی کو تم نے ہی سر پر چڑھا رکھا تھا۔'' وہ ان پر ہی الٹ پڑے تھے۔ عذرا بیگم لب بھینچ کر انہیں سنے گئیں۔

''تم اور تمھاری اولاد کو ساری زندگی لوگوں کو ان کی جگہ پر رکھنا نہیں آیا۔ جب عواض نے اپنی بیوی کو کسی چیز سے منع کر دیا تھا تو تمھیں کیا ضرورت تھی ان کے معاملات میں بولنے کی۔ دیکھ لیا اپنی حماقت کا نتیجہ۔'' بختیار صاحب کی توپوں کا رخ اب عذرا بیگم کی طرف ہو گیا تھا۔

''آپ عواض کی غلطی پر پردہ مت ڈالیے بختیار صاحب۔اس کے درشت رویے کی وجہ سے مشکوٰۃ گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ بیوی کی کردار کشی کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔'' آج عذرا بیگم کا تحمل بھی ان سے دامن چھڑا گیا تھا وہ سخت ناراضگی سے بولی تھیں۔جس کے نتیجے میں بختیار صاحب نے بیٹے کو جانچتی نگاہوں سے گھورا

''عورت پسلی کی ٹیڑھی ہڈی کی طرح ہوتی ہے برخوردار، جسے سیدھا کرنے کی کوشش میں تم اسے توڑ بیٹھے ہو۔'' بھنویں سکیڑ کر کہتے ہوئے وہ عواض کے چہرے کو ٹٹول رہے تھے جس پر لکھی ندامت کی خفیف سی تحریر ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو سکی تھی

''کل جو کچھ ہوا مجھے اس کا بالکل اندازہ نہیں تھا پاپا۔میں مانتا ہوں کہ مجھ سے معاملہ mishandle ہوا مگر مشکوٰۃ کی ہٹ دھرمی بھی

نظر انداز کرنے کے لائق نہیں ہے۔شادی کے اس ایک سال میں آج تک وہ میرے مزاج کو سمجھ نہیں سکی۔اور کل تو۔۔"

"بس۔" یکدم بختیار صاحب نے اسے بھی ٹوک کر خاموش کر ادیا۔

"میں نے دنیا دیکھی ہے صاحب زادے! وہ لڑکی بے وقوف اور جذباتی ضرور ہے مگر کردار کی شفاف ہے۔" انہوں نے عواض کو تیکھے پن سے مخاطب کیا تھا۔اپنے انتخاب پر حرف گیری انہیں برداشت نہیں تھی۔جواباً عواض نے گہری سانس بھر کر باپ کی طرف دیکھا۔ اس بات سے تو اسے بھی انکار نہیں تھا۔مگر کل غصے میں وہ اپنے آپے میں نہیں رہا تھا جس کی وجہ سے اس کی زبان سے بہت کچھ نکل گیا اور اضطراری حالت میں اس کا ہاتھ تک اٹھ گیا تھا۔

"آپ سلیمان بھائی کے گھر چلیں بختیار صاحب۔ابھی سب

کچھ نہیں بگڑا۔ معاملہ ابھی بھی سنبھالا جا سکتا ہے۔'' عذرا ان کی بات پر بے اختیار بولی تھیں ان کے لہجے میں امید اور درخواست تھی۔

''ہرگز نہیں۔ کوئی ضرورت نہیں کسی کو اسکے پیچھے جانے کی۔ وہ جس طرح گئی ہے اسی طرح واپس آئے گی۔ دو دن میکے میں رہنے دو اسے، خود بخود ہوش ٹھکانے آجائیں گے صاحب زادی کے۔'' گونجدار آواز میں انہوں نے فیصلہ سنا دیا تھا۔

''اور خبردار جو کسی نے سلیمان کے گھر سے آنے والی کوئی کال ریسیو کی۔ اب اس معاملے سے میں خود نبٹوں گا۔'' انہوں نے عذرا بیگم کو

تنبیہی نظروں سے دیکھ کر سخت انداز میں کہا تھا۔

''اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر؟۔۔۔'' عذرا بیگم نے خوفزدہ انداز میں پوچھا

''تو پھر جس طرح میں اُسے اِس گھر میں لایا تھا اسی طرح نکال باہر بھی کرسکتا ہوں۔'' بختیار صاحب کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی اور چہرے پر پتھریلے تاثرات تھے جنہوں نے عذرا بیگم کو دہلا کر رکھ دیا۔اور ہل تو عواض بختیار بھی گیا تھا۔ وہ لڑکی پورا ایک سال اس کی شریک حیات کی حیثیت سے اس کے ساتھ رہی تھی۔ جس کی محبت نے عواض کے دل کی فصیلوں میں کہیں نہ کہیں نقب ضرور لگائی تھی۔ اوراس بات کا احساس اسے باپ کے بے رحمانہ فیصلے نے دلا دیا تھا۔

کیا وہ مشکوٰۃ سلیمان سے دستبرادر ہو سکے گا؟۔اس کے اندر سوال جواب شروع ہو گئے تھے۔

☆...☆...☆...☆...☆

مشکوٰۃ کے گھر واپس آجانے سے گھر میں گویا صف ماتم بچھ گئی

تھی۔ یہ سب کچھ ان سب کے لیے اتنا اچانک اور اندوہناک تھا کہ اس حادثے سے سنبھلنا بہت دشوار تھا۔

''مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے سلیمان۔ عواض تو بہت بامروت بہت با اخلاق بچہ ہے۔ اس نے تو کبھی سخت لہجے میں بات تک نہیں کی مشی سے۔'' سنبل بیگم کے لیے اس بات پر یقین کرنا ایسا ہی مشکل تھا جیسے سورج کا رات میں نکلنا۔ ''اتنا ایجوکیٹڈ انسان کس طرح ایسا برتاؤ کر سکتا ہے کسی کے ساتھ۔ اپنی بیوی کے ساتھ۔'' سنبل ماں تھیں ان کا کلیجہ چھلنی ہوا جا رہا تھا۔

سلیمان صاحب بمشکل خود پر ضبط کیے بیٹھے تھے۔ بیٹی کے رخسار پر چھپے انگلیوں کے نشان اور کلائیوں پر پڑے نیل ان کے دل میں شگاف ڈال گئے تھے۔

''بعض انسان پیاز کی طرح ہوتے ہیں سنبل۔ جن پر بہت سی

پرتیں چڑھی ہوتی ہیں۔انہیں سمجھنا یا پہچاننا آسان نہیں ہوتا۔'' دردان کے چہرے سے عیاں تھا

''مگر مشی نے تو کبھی بتایا بھی نہیں، ہمیں بھنک تک نہ پڑنے دی کہ وہ اس سب سے گزر رہی ہے۔ہم تو ہمیشہ اسے خوش سمجھتے رہے۔'' سنبل کو بیٹی غم کھائے جا رہا تھا۔

''کیسے بتاتی وہ ہمیں۔اپنا دکھ ہم سے شیئر کر کے وہ ہمیں تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔صبر کے نام پر جبر سہنے کی جو سیکھ معاشرہ بیٹیوں کو دیتا ہے اس کے بعد وہ اپنے حق کے لیے بولنے کے بجائے سمجھوتے کے راستے پر قدم رکھ دیتی ہیں۔اور پھر یہ سمجھوتہ ان کے استحصال کی وجہ بنتا چلا جاتا ہے۔'' سلیمان صاحب کے لہجے میں دکھ بول رہا تھا۔ سنبل اس بات پر بے اختیار رو پڑیں۔

سمجھوتے اور صبر کے نام پر ظلم سہنے کی روایت تو خود انہوں نے بھی

ڈال رکھی تھی۔ساری زندگی بیٹیوں کو یہی سکھایا کہ گھر بنانے کے لیے تکلیف دہ باتوں کو سہنے سے سسرال میں قدم مضبوط ہوتے ہیں شوہر کے دل میں جگہ بن جاتی ہے مگر وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ ہر عورت کے نصیب میں سلیمان صاحب جیسا مرد نہیں ہوتا جو بیوی کی قربانیوں کا قدر شناس ہو۔ کچھ لوگ قربانیاں دینے والوں کو ہی قربان کر ڈالتے

ہیں۔مشکوٰۃ کے حصے میں ایک ایسا ہی شخص آیا تھا جس کے رنگ میں رنگنے کی کوشش میں اس کی اپنی شخصیت کملا کر رہ گئی تھی۔

''یا اللہ مجھے حوصلہ دے اور صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرما۔''

سلیمان صاحب نے شریک حیات کو روتا دیکھ کر بے اختیار دعا کی تھی۔ساتھ ہی ان کی سماعتوں میں مشکوٰۃ کی ان سنی سسکیاں بھی ابھر رہی تھیں۔

جب سے وہ گھر آئی تھی اور اس نے اپنا فیصلہ گھر والوں کے سامنے رکھا تھا کوئی بھی اُس سے اس بارے میں بات نہیں کرتا تھا مگر سلویٰ سے رہا نہیں گیا تھا۔اس دن وہ اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔

''کیا یہ تمھارا آخری فیصلہ ہے مشی؟۔کیا واقعی تم عواض بھائی سے ڈائیوارس لینا چاہتی ہو؟۔'' سلویٰ کے چہرے پر شدید اداسی تحریر تھی۔ عواض اور مشکوٰۃ کا کپل اس کے لیے ایک مثالی جوڑا تھا۔وہ ان کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوا کرتی تھی۔کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ صرف ایک سال بعد اس کی بہن یوں دریدہ دل لیے واپس آ جائے گی

''مجھے اس گھر میں دوبارہ نہیں جانا سلویٰ۔ وہ گھر کسی عقوبت خانے سے کم نہیں۔وہاں ہر روز میری روح کو زخمی کیا جاتا۔'' اس نے بھیگے لہجے میں اپنا فیصلہ دہرا دیا تھا۔

''اور وہ محبت جو تمھیں عواض بھائی سے ہے اس کا کیا کرو گی؟۔'' سلویٰ کا سوال کسی تیر کی طرح نوکیلا تھا۔ وہ اُس کی غم گسار اور مزاج شناس تھی۔ جانتی تھی کہ علحیدگی کا فیصلہ خواہ مشکوٰۃ کے ذہن نے کیا ہے مگر دل اس کا اب بھی باغی ہے۔

''محبت کے نام پر اپنی عزت کا سودا مجھے گوارہ نہیں سلویٰ۔ جتنی محبت مجھے عواض سے ہے اس سے کم سہی، مگر تھوڑا بہت پیار مجھے اپنی عزت نفس اور اپنے پندار سے بھی تو ہے۔'' ناخن سے بیڈ شیٹ کے ڈیزائین کو کھرچتے ہوئے وہ بہت آہستگی سے بولی تھی۔

''مشی کیا تم ایک بار عواض بھائی سے مل کر اس معاملے کو حل کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہو گی؟۔'' سلویٰ نے ایک بار پھر سوال کر ڈالا تو اس نے یکدم نظر اٹھا کر سلویٰ کو دیکھا تھا۔

''اصل مسئلہ ہی عواض اوران کا attitude ہے۔وہ بھلا کیا حل دے سکیں گے۔اماں صحیح کہا کرتی تھیں سلویٰ۔کہ سسرال والے چاہے کتنے بھی برے کیوں نہ ہوں اگر شوہر قدر کرنے والا اور چاہنے والا ہو تو عورت آگ کا دریا بھی پار کر جاتی ہے۔لیکن جب زندگی کا ساتھی ہی زندگی سے بے زار کر دے تو پھر کہنے اور سہنے کے لیے کچھ نہیں بچتا۔'' تھکے تھکے لہجے میں کہہ کر اس نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔سلویٰ کو لگا اس کے پاس بھی کہنے کو الفاظ نہیں بچے تھے۔

☆...☆...☆...☆...☆

''ہائے میرے اللہ۔یہ میں کیا سن رہی ہوں میرے مالک۔یہ کیسا غصب ہو گیا۔'' آپا بیگم دروازے سے ہی ہائے ویلا کرتی اندر

داخل ہوئی تھیں۔ان کی آہ و بکا نے گھر کے سوگوار سکوت کی چادر کو چاک کر دیا تھا۔''ارے سنبل یہ سب سننے سے پہلے میں مر کیوں نہ گئی۔''

سنبل بیگم رنجیدگی سے گہری سانس بھر کر آپا بیگم کے استقبال کے لیے اٹھ کر دروازے تک آئیں۔جن کی نوحہ خوانی سے ان کا اپنا دل

ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔گزرے دو مہینوں میں عواض یا اس کے گھر والوں کی طرف سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی ، بلکہ سلیمان صاحب

اور سنبل صاحبہ کی فون کال کا بھی ان کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

ان کی یہ خاموشی اس بات کا مظہر تھی کہ وہ سب عواض کے اس

ظالمانہ رویے کو حق بجانب سمجھتے ہیں جس سے مشکوٰۃ کے مؤقف کی تصدیق ملی تھی۔

''بس آپا۔ کیا کریں۔ ہماری بچی کے نصیب میں شاید یہی لکھا تھا۔'' سنبل بیگم ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی تھیں

''ارے تو نصیب کے اس لکھے کو بدلنے کی کوشش تو کرو نا۔ یہ کیا کہ بچی نے آ کر جو سیاہ سفید بتا دیا اس پر تم سب بھی راضی ہو کر بیٹھ گئے ہو۔ ارے میں کہتی ہوں کہ بختیار اور عذرا کو بلاؤ یا جا کر ان سے بات کرو۔ کوئی مذاق ہے شادی۔'' آپا بیگم تڑخ کر بولی تھیں

''ان لوگوں نے ابھی تک ہم سے کوئی رابطہ نہیں کیا آپا بیگم اور ہماری کال کا بھی کوئی جواب نہیں آیا ان کی طرف سے۔''

''ارے تو تمھیں پتا تو کرنا چاہیے تھا نا کہ آخر اصل معاملہ ہے کیا۔ محض ایک طرف کی بات سن کر فیصلہ کرنا تو حماقت ہے۔'' آپا بیگم

کے لہجے میں کڑواہٹ تھی

''جس حال میں مشکوٰۃ گھر واپس آئی تھی آپا بیگم !اس کے بعد مزید کچھ جاننے کی ضرورت نہیں رہی۔'' سنبل بیگم نے بمشکل تحمل کا دامن تھام کر انہیں جواب دیا تھا

''وہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ آخر ایسی کیا بات ہوگئی تھی کہ نوبت ہاتھ اٹھانے تک آگئی۔'' آپا بیگم کا انداز ہنوز تھا۔''سچ تو یہ ہے کہ مرد کو زبان دراز عورت کبھی اچھی نہیں لگتی۔ برا مت ماننا سنبل،تم لوگوں نے مشکوٰۃ کو کچھ زیادہ ہی سر چڑھا رکھا تھا۔ایسی لاڈوں میں پلنے والی نازک مزاج لڑکیوں کے لیے گھر بسانا بہت مشکل ہوتا ہے۔اسے تو سگی پھپھی کی بات ناگوار گزرتی تھی تو سوچو شوہر کو تو وہ دس باتیں سنا ڈالتی ہوگی۔'' آپا بیگم نے بغیر لگی لپٹی رکھے الزام ان کی تربیت پر دھر دیا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے آپا بیگم۔مشکوٰۃ نے حتی الامکان نبھانے کی کوشش کی تھی۔''

''ہاں تو کوشش کرنا بھی چاہیے تھی، کیا وہ نہیں جانتی کہ اس سے چھوٹی بہن ابھی گھر پر بیٹھی ہے، اللہ نہ کرے اگر اُسے طلاق ہوگئی تو سلویٰ کا کیا مستقبل ہوگا۔ابھی تو مشکوٰۃ کی شادی پر لیا قرض بھی ادا نہیں ہوا کہ وہ چھوٹی سی بات کا فسانہ بنا کر گھر آ بیٹھی ہے۔'' آپا بیگم نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔ان کا بے رحم تبصرہ سنبل بیگم کا کلیجہ نوچ گیا۔

''بیوی پر ہاتھ اٹھانا آپ کے نزدیک چھوٹی بات ہے آپا بیگم؟'' حیرت اور دکھ سے پوچھا تھا انہوں نے۔

''میں نے یہ نہیں کہا۔مگر یہ نوبت آئی ہی کیوں، تمھیں یہ بھی تو

مشکوٰۃ سے پوچھنا چاہیے تھا نا۔'' سنبل بیگم کے ملامت آمیز سوال پر آپا بیگم کا لہجہ کچھ دھیما ہو گیا تھا۔

''دیکھو سنبل گھر بسانے کے لیے عورت کو بہت ضبط سے کام لینا ہوتا ہے۔اب ہر کوئی تمھاری طرح خوش نصیب تو نہیں ہوتا نا کہ شوہر کو آسانی سے مٹھی میں کر لے۔ کچھ عورتوں کو اس کام کے لیے بہت پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں۔'' وہ طنز سے کہہ گئی تھیں

''تمھاری بچی میں صبر کی کمی ہے۔تم مشکوٰۃ کو سمجھاؤ کہ ضد چھوڑ کر مفاہمت کا راستہ اپنائے۔شادی کوئی گڈے گڑیا کا کھیل نہیں کہ جب چاہا کھیلا جب چاہا چھوڑ دیا۔ پہلے ہی اتنی مشکل سے سلیمان کے سر سے ایک بوجھ اترا تھا کہ اب وہ پھر ذمیداری بن کر آ گئی ہے۔''

''بات صرف مشکوٰۃ کی نہیں آپا بیگم۔خود عواض اور بختیار بھائی نے جس طرح خاموشی اختیار کر رکھی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ

وہ لوگ بھی مصالحت نہیں چاہتے۔"

"تو وہ نہیں چاہتے مگر تم تو چاہو، بیٹی کے ماں باپ ہو تم دونوں۔ جبکہ بختیار اور عذرا کا کیا ہے، بیٹا ان کا اعلیٰ تعلیم یافتہ جوان اور خوبرو ہے، انہیں اپنے بیٹے کے لیے ایک چھوڑ دو اچھے رشتے اور مل جائیں گے، مگر مشکوٰۃ لڑکی ہے، آجکل کنواری لڑکیوں کو بیاہنا مشکل ہے ۔مطلقہ اور بیوہ کا تو پوچھو ہی مت۔" آپا بیگم نے سنبل کی بات پر کرارے لہجے میں انہیں خوب سنائی تھیں

"رہ گئی بختیار میاں اور عذرا کی بات تو ان کی تم فکر مت کرو۔ میں عمر کے ابا سے کہہ کر تم سب کی ملاقات کا بندو بست کرتی ہوں تا کہ اس مسئلے کو حل کیا جا سکے۔"

"لیکن آپا بیگم۔۔۔۔

"لیکن ویکن چھوڑ و اور جو میں نے کہا ہے وہ کرو۔ تم ادھر مشکوٰۃ کو

سمجھاؤ ادھر میں عواض کے گھر والوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ بیاہی بیٹیوں کو یوں گھر میں بٹھایا نہیں جاتا۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں کہتے ہوئے اٹھنے لگی تھیں۔ کہ کمرے میں داخل ہوتے سلیمان صاحب نے انہیں ٹوک دیا

"اس کی کوئی ضرورت نہیں آپا بیگم۔ مجھے اپنی بیٹی کا فیصلہ منظور ہے۔ جو شخص میری بیٹی کو عزت نہ دے سکے میں اسکے ہاتھ میں اپنی بچی کا ہاتھ نہیں دے سکتا۔" ہمیشہ کی طرح مؤدب انداز تھا ان کا مگر لہجہ فیصلہ کن تھا

"مشکوٰۃ ابھی کم عمر ہے سلیمان، مگر تم عقل وشعور والے ہو کر ایسی باتیں کرو گے، یہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ تمھیں اچھی طرح علم ہے کہ اس معاشرے میں طلاق یافتہ لڑکی کا کیا مقام ہے، رل جاتی ہے وہ۔"

''اس بے درد معاشرے کی خاطر میں اپنی بیٹی کو ایک بے حس انسان کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور نہیں کر سکتا آپا بیگم۔ یہ معاشرہ ظالم ہو سکتا ہے مگر میں نہیں۔ میں اس کا باپ ہوں۔''

''مگر سلیمان تم۔۔۔

''پلیز آپا بیگم میں اس بارے میں مزید کوئی بات نہیں سننا چاہوں گا۔ مجھے امید ہے آپ مجھے بار بار انکار کرنے کی زحمت میں مبتلا نہیں کریں گی۔'' یکدم سپاٹ لہجے میں انہوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا تو آپا بیگم ہکا بکا سی رہ گئیں۔

سنبل بیگم نے دیکھا کہ وہ سلیمان صاحب جو اپنی بہن کی ناانصافی پر مبنی باتیں بھی اکثر نظر انداز کر جاتے تھے آج اپنی بیٹی کے حق کے لیے اسی بہن کے سامنے ڈٹ گئے تھے۔ ان کا انداز ایسا بے لچک تھا

کہ آپا بیگم کتنی ہی دیر حیرت سے انہیں دیکھتی رہ گئیں۔ انہیں احساس ہوا تھا کہ اس وقت ان کے سامنے کھڑا شخص وہ شوہر نہیں ہے جس کے سامنے وہ اس کی بیوی کی حق تلفی بڑے آرام سے کر لیا کرتی تھیں، بلکہ اس لمحے ان کے سامنے ایک ایسا باپ موجود تھا جس کے نزدیک اس کی بیٹی کی عزت نفس ہر شئے سے زیادہ مقدم تھی۔

☆...☆...☆...☆...☆

"آخر ایسا کیوں ہوتا ہے بیٹا کہ ہم کسی کی قدر اس کے جانے کے بعد ہی کر پاتے ہیں، اس کے ساتھ رہتے نہیں۔" عذرا عواض کے کمرے میں داخل ہوئیں تو اسے سر شام اندھیرا کیے سر تکیے پر دھرے آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا ہوا پایا۔

وہ جانتی تھیں کہ عواض جاگ رہا ہے اس لیے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولیں تو عواض نے بازو ہٹاتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

''ایسی کوئی بات نہیں ماما۔'' وہ انگلیوں سے بال سنوارتا اٹھ بیٹھا تھا۔

''کیا تم یہ جھوٹ خود سے بول سکتے ہو عواض؟۔'' ان کا سوال کسی تیر کی طرح سیدھا ہدف پر لگا تھا جا کر۔

''میں کسی سے جھوٹ نہیں بول رہا ماما۔ آپ پلیز پریشان نہ ہوں میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے نظر چرا کر آہستگی سے کہا

''کیسے پریشان نہ ہوں میں۔ وہ سونے میں تلنے کے لائق لڑکی جاتے جاتے میرے گھر کی رونق کے ساتھ میرے بیٹے کی خوشی اور اس کی ہنسی بھی لے گئی۔ میرا فکر مند ہونا تو بنتا ہے بیٹا۔'' عذرا نے

نرمی اور محبت سے کہا تو وہ لب بھینچ گیا۔

وہ کتنے ہی دنوں سے اسے پریشان دیکھ رہی تھیں۔شروع کے ایک دو ہفتے تو وہ بھی باپ کے کہنے اور اپنی انا کے زعم میں بہت پرسکون

رہا،مگر دھیرے دھیرے احساس جرم نے اسے گھیرنا شروع کر دیا جس میں بڑا ہاتھ عذرا کا تھا، وہ جونہی اسے اکیلا پاتیں، ہلکے پھلکے انداز میں سمجھانے کی کوشش کرتی رہتیں۔مشکوٰۃ کے اوصاف اور عواض کی غلطیوں کی نشاندہی کرتیں۔انہوں نے اسے باور کرایا تھا کہ اس نے مشکوٰۃ کو عذرا یا ستارہ جیسا سمجھ کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔

یقیناً وہ محبت تو کرتی تھی عواض سے مگر ظلم سہنے کی بھی ایک حد تھی اس کی۔وہ سمجھ گیا تھا کہ انسان گھوڑے کی سواری کر سکتا ہے مگر شیر کی نہیں۔

اس پر بے جا تنقید اور پابندیاں لگا کر اس نے اسے خود سے دور کر دیا تھا۔ وہ اپنی پسند کا کھا سکتی تھی نہ پی سکتی تھی، نہ پہن اوڑھ سکتی تھی، ہنس سکتی تھی نہ بول سکتی تھی۔ عواض نے اسے اپنی پسند کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش میں اس کی اصل شخصیت کو مسخ کر ڈالا تھا۔ مگر وہ اس ذہنی تشدد کو بھی جھیل گئی تھی مگر اپنے کردار پر حرف گیری اور خود پر عواض کا ہاتھ اٹھانا وہ برداشت نہیں کر سکی تھی۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ماما۔ میں بس ذرا تھک گیا تھا اس لیے ستانے لیٹ گیا۔''

''انسان اکیلے چلتے چلتے تھک ہی جاتا ہے بیٹا۔ تنہا تو بس ایک اللہ کی ذات ہی رہ سکتی ہے۔ ہمیں تو ہمارے رب نے اپنے شریک حیات کے ذریعے مکمل کیا ہے۔ تو بھلا اس کے بغیر ہم کیسے خوش رہ

سکتے ہیں؟۔'' وہ رسانیت سے بولیں

''اپنی غلطی مان لینا بشریت کی معراج ہے بیٹا۔تم مشکوٰۃ سے صلح کرلو اس سے اپنے برے رویے کی معافی مانگ لو، مجھے یقین ہے وہ تمھاری خطاؤں سے درگزر کرے گی۔اس کا دل بہت بڑا ہے بیٹا اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ تمھیں دل سے چاہتی ہے۔میں نے اس کی آنکھوں میں تمھارے لیے ہمیشہ محبت دیکھی ہے۔''

''کیا خاک محبت ہے اسے مجھ سے۔آپ نے سنا نہیں وہ مجھ سے طلاق چاہتی ہے اور اب تو پاپا کا بھی یہی فیصلہ ہے۔'' وہ بددلی سے بولا تھا

''اور تم۔؟تم کیا چاہتے ہو عواض؟۔تمھارا فیصلہ کیا ہے۔'' انہوں نے برجستہ سوال پوچھا تو وہ ایک لمحے کے لیے لب بھینچ گیا

(واقعی میں کیا چاہتا ہوں؟۔، میرا کیا فیصلہ ہے؟۔) اس نے اپنے دل میں جھانکا تو وہاں ایک تصویر سجی دیکھ کر حیرت زدہ سا رہ گیا۔

وہ لڑکی جسے اس نے باپ کی مطلق العنانی کی وجہ سے اپنایا تھا، جس کی شخصیت کو وہ دن رات تنقید کا نشانہ بنا کر لاشعوری طور پر خود کو اور خاص طور پر بختیار صاحب کو یہ باور کراتا رہا تھا کہ وہ لڑکی اُس کی بیوی بننے کے لائق نہیں، وہ نجانے کب نقب لگا کر اس کے دل کے گنبد بے در میں داخل ہو چکی تھی۔شاید یہ سب کرتے ہوئے وہ بھول گیا تھا کہ جھوٹی انا دماغ کو اپنے شکنجے میں جکڑ کر لاکھ فیصلے کرا لے لیکن دل کے اپنے ہی راستے ہوتے ہیں۔اس کا دل بھی مشکوٰۃ سلیمان کی طرف جانے والی شاہراہ پر محو سفر تھا اور اسے روکنا خود عواض بختیار کے بس میں نہیں تھا۔

☆...☆...☆...☆...☆

(جاری ہے)